# ۴۲۔الشوریٰ

**نام** آیت ۳۸ میں شوریٰ (باہمی مشورہ) کو اہلِ ایمان کا طریقہ بتایا گیا ہے۔اس مناسبت سے اس سورۂ کا نام الشوریٰ ہے۔

**زمانۂ نزول** مکّی ہے اور مضامین سے انداز ہوتا ہے کہ یہ سورہ حٰم السجدہ کے بعد نازل ہوئی ہوگی ،یعنی مکہ کے درمیانی دور میں۔

**مرکزی مضمون** خدا اور مذہب کے معاملہ میں حق کیا ہے اس کو جاننے کا ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ یہ دین جس کو اللہ کا رسول قرآن کے ذریعہ پیش کر رہا ہے، اللہ کا مقرر کردہ دین ہے جس کی وحی اس نے اپنے رسول پر کی ہے۔

**نظمِ کلام** آیت ۱ تا ۱۲ تمہیدی آیات ہیں جن میں مختصراً وہ باتیں پیش کی گئی ہیں، جن سے وحی الٰہی کے تفصیلی مضامین کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

آیت ۱۳ تا ۲۰ میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ وہی دین ہے، جس کی وحی انبیاء علیہم السلام کی طرف کی گئی تھی۔ نبی ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ تم اسی پر جمے رہو اور اسی کی طرف دعوت دو۔ جو لوگ اس سلسلہ میں بحث میں الجھ رہے ہیں ان کے پاس حق کی کوئی حجت نہیں ہے۔

آیت ۲۱ تا ۳۵ میں اپنی طرف سے مذہب ایجاد کرنے والوں، اور اس کی پیروی کرنے والوں پر سخت گرفت کی گئی ہے۔اور ان لوگوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے جو اللہ کے دین پر ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں۔ نیز منکرین کے بعض شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

آیت ۳۶ تا ۴۳ میں اس دین کو قبول کرنے والوں کے وہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں، جو کشمکش کے اس مرحلہ سے انہیں سلامتی کے ساتھ گزار سکتے ہیں، اور جو کامیابی کی ضمانت ہیں۔

آیت ۴۴ تا ۵۰ میں مخالفین کو ان کی گمراہی پر متنبہ کرتے ہوئے، اپنے رب کی پکار پر لبیک کہنے کی دعوت دی گئی ہے۔

آیت ۵۱ تا ۵۳ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں جن میں اس مضمون کی مزید وضاحت ہے، جس سے سورہ کا آغاز ہوا تھا یعنی وحی الٰہی۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ①

عٓسٓقٓ ②

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ
اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ⑤

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى
وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ
فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ
يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ
الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨

# ۴۲۔ سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

آیات: ۵۳

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] حا۔ میم۔

[۲] عین۔سین۔قاف۔ ا۔

[۳] اسی طرح اللہ غالب وحکیم تمہاری طرف وحی کرتا ہے، اور تم سے پہلے جو (رسول) گذرے ہیں ان کی طرف بھی وحی کرتا رہا ہے۔ ۲۔

[۴] جو کچھ بھی آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ وہ نہایت بلند اور عظیم ہے۔ ۳۔

[۵] قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں ۴۔ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کیلئے معافی کی دعا کرتے رہتے ہیں ۵۔ سنو! اللہ ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۶۔

[۶] جن لوگوں نے اس کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں ۷۔، اللہ ان پر نگاہ رکھے ہوئے ہے ۸۔ اور تم کو ان پر ذمہ دار مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ ۹۔

[۷] اور (اے نبی!) اس طرح ہم نے تم پر عربی قرآن وحی کیا ہے تاکہ تم ام القریٰ ۱۰۔ (مکہ) اور اس کے گرد وپیش رہنے والوں کو خبردار کر دو ۱۱۔ اور جمع ہونے کے دن سے ڈراؤ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ۱۲۔ ایک گروہ جنت میں جائے گا ۱۳۔، اور دوسرا گروہ دوزخ (بھڑکتی آگ) میں ۱۴۔۔

[۸] اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا ۱۵۔، لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے ۱۶۔ اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔

[۹] کیا انہوں نے اس کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں؟ ۱۷۔ کارساز تو اللہ ہی ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کریگا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۔ یہ الگ الگ حروف ہیں جن سے کلام کا آغاز کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی تلاوت آدمی کو چونکا دیتی ہے اور وہ اصل کلام کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔(مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱)

اس سورۂ میں حٰمٓ کا اشارہ اللہ کے حکیم ہونے کی صفت کی طرف ہے جس کا ذکر آیت ۳ میں اور ۵۱ میں ہوا ہے۔اسی طرح 'ع' کا اشارہ اللہ کے عزیز (غالب) علی (بلند) اور علیم (علم والا) ہونے کی صفات کی طرف ہے جن کا ذکر بالترتیب آیت ۳، ۴ اور ۵۰ میں ہوا ہے۔'س' کا اشارہ اللہ کے سمیع (سننے والا) ہونے کی صفت کی طرف ہے جس کا ذکر آیت ۱۱ میں ہوا ہے۔اور'ق' کا اشارہ اللہ کے قدیر (قدرت والا) اور قوی (قوت والا) ہونے کی طرف ہے جن کا ذکر آیت ۹ اور ۱۹ میں ہوا ہے۔

۲۔ 'وحی' پیغام رسانی کا وہ مخفی ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کیلئے اختیار کرتا ہے۔عام انسان اس ذریعہ کا ادراک نہیں کرسکتے اس لئے جو حقیقت پسند نہیں ہوتے انہیں اس پر تعجب ہوتا ہے اور وہ اس کا انکار کربیٹھتے ہیں۔قرآن کے وحی الٰہی ہونے کو بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھا جارہا تھا اس لئے اس کے ایک امر واقعہ ہونے کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا کہ پیغام رسانی کا یہی طریقہ ہم نے اس رسول کے معاملہ میں بھی اختیار کیا ہے اور یہی طریقہ اس سے پہلے بھی رسولوں کے بارے میں اختیار کیا جاتا رہا ہے۔آیت میں خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن سمجھانا ان لوگوں کو مقصود ہے جو وحی کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آج کا ماڈرن انسان بھی خدا اور مذہب کے معاملہ میں تعصب کی بنا پر وحی کو جو اس بارے میں علم کا سب سے زیادہ یقینی ذریعہ ہے ماننے کیلئے تیار نہیں ہے جب کہ خود انسان نے آسمان کی فضاء میں ایسے سٹیلائٹ داغے ہیں جن کے سگنل وہ سنتا اور سمجھتا ہے۔

۳۔ علی (بلند) ہے مرتبہ کے اعتبار سے اور عظیم ہے تعظیم وتکریم کے اعتبار سے۔

۴۔ یعنی اللہ کی ہیبت آسمانوں پر ایسی طاری ہے کہ عجب نہیں کہ وہ پھٹ پڑیں۔اور قیامت کے دن وہ واقعی پھٹ پڑیں گے۔

۵۔ زمین والوں سے مراد زمین میں بسنے والے اہلِ ایمان ہیں جیسا کہ سورۂ مؤمن آیت ۷ میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے یہاں واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ فرشتے آسمان میں رہتے ہوئے زمین پر بسنے والے اہلِ ایمان سے گہرا قلبی ربطہ رکھتے ہیں اور ان کی ہمدردی میں ان کی معافی کیلئے اللہ کے حضور دعا گو ہوتے ہیں۔

اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی کیا شان ہے اور کیسا جلال ہے آسمانوں میں!

۶۔ یعنی گناہوں کو بخشنا اور رحم کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔فرشتے صرف دعا کرسکتے ہیں اس لئے اپنے گناہوں کی بخشش اللہ ہی سے مانگنا چاہئے اور اسی سے رحم کی درخواست کرنا چاہئے۔

اس سے عیسائیوں کے اس عقیدہ کی آپ سے آپ تردید ہوتی ہے کہ حضرت مسیح کفارہ ہیں اور قیامت کے دن وہ اپنے ماننے والوں کے گناہ بخش دینگے۔

۷۔ ولی (کارساز) کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ کہف نوٹ ۱۲۸۔ نیز سورۂ اعراف نوٹ ۶۔

۸۔ اور جب اللہ ان پر نگاہ رکھے ہوئے ہے تو وہ ضرور ان کے اس مجرمانہ رویہ پر گرفت کریگا۔

۹۔ یعنی ان کے عمل کے تم ذمہ دار نہیں ہو۔تمہارا یہ کام نہیں کہ اللہ کے دین کا زبردستی انہیں قائل کراؤ بلکہ تمہارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔

۱۰۔ ام القریٰ کے معنی ہیں بستیوں کا مرکز۔مکہ نہ صرف عرب علاقہ کا مرکزی شہر تھا بلکہ دینی اعتبار سے بھی مرکزی حیثیت رکھتا تھا اس لئے اسے ام القریٰ کہا گیا۔

۱۱۔ چونکہ قرآن کے مخاطب اول مکہ اوراس کے اطراف کے لوگ تھےاوران کی زبان عربی تھی اس لئےقرآن کوبھی عربی زبان میں نازل کیا گیا۔

۱۲۔ قیامت کے دن سے خبردار کرنا نزولِ قرآن کا اہم مقصد ہےاس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوہدایت ہوئی کہ آپ قیامت کے دن سےلوگوں کو ڈرائیں۔

دعوتِ قرآنی کا یہ اہم ترین پہلو ہے جس کالحاظ ان لوگوں کوکرنا چاہیئے جودعوتِ دین کی خدمت انجام دینے کیلئے اٹھیں۔

۱۳۔ یعنی ایمان لاکرنیک عمل کرنے والوں کا گروہ۔

۱۴۔ یعنی کافروں اورمشرکوں کا گروہ۔

۱۵۔ یعنی اللہ چاہتا توبزورسب کوایک ہی دین۔۔۔اسلام۔۔۔کا پیروبنادیتا۔کسی دوسرے مذہب کا وجودہوہی نہیں سکتا تھالیکن اللہ کی مشیت یہ ہوئی کہ انسان کوانتخاب واختیارکی آزادی دے کرآزمایاجائے کہ وہ اپنی عقل وبصیرت کواستعمال کرکے اس دین کوقبول کرتا ہے جواللہ نے وحی کے ذریعہ اوررسولوں کی معرفت بھیجاہے یاقوموں اورفرقوں کےخودساختہ مذاہب میں سے کسی مذہب کا پیروبن کررہ جاتا ہے۔مزیدتشریح کیلئے دیکھئے سورۂ مائدہ نوٹ ۱۵۹۔

۱۶۔ یعنی جس کودینِ حق پر چلنے کی توفیق ملی وہ اللہ کی رحمت میں داخل ہوا۔اوریہ توفیق ان ہی کوملتی ہے جواس کی سچی طلب رکھتے ہیں۔اللہ کی مشیت اس کی حکمت کےعین مطابق ہوتی ہے۔

۱۷۔ یہاں خاص طور سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے الگ الگ مذہب بنائے اوران کے بانیوں کوان کے عقیدتمندوں نے اپنا سرپرست اورکارساز بنالیااوران گمراہ پیشواؤں کے پیچھے چل کرگمراہ ہوتے رہے۔

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جسے
چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا
ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (القرآن)

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩

١٠ جس چیز میں بھی تم لوگوں نے اختلاف کیا ہے اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے ١٨؎۔ وہی اللہ میرا رب ہے ۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے۔اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪

١١ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، تم ہی میں سے جس نے تمہارے جوڑے بنائے اور مویشیوں کے بھی جوڑے پیدا کئے۔ وہ تمہاری نسلیں اس میں پھیلاتا ہے ١٩؎۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ٢٠؎۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫

١٢ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں ٢١؎۔ وہ جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے ٢٢؎۔ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا
الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا
تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ
وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ⑬

١٣ اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اس نے نوح کو کی تھی اور جس کی وحی (اے نبی!) ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی تھی کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس معاملہ میں تفرقہ میں نہ پڑو ٢٣؎۔ مشرکین پر وہ چیز شاق ہے جس کی طرف تم انہیں دعوت دے رہے ہو ٢٤؎۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی راہ کیلئے چن لیتا ہے اور اپنی طرف رہنمائی اسی کی کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے ٢٥؎۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ
مِّنْهُ مُرِيْبٍ ⑭

١٤ اور جو لوگ اس کے بعد تفرقہ میں پڑے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا محض آپس کی ضد کی بنا پر ٢٦؎۔ اور اگر تمہارے رب کا فرمان ٢٧؎، ایک مدت مقرر کیلئے صادر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا ٢٨؎۔ اور ان (گزرے ہوئے) لوگوں کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں الجھن میں ڈال دیا ہے ٢٩؎۔

۱۸۔ یہ اور اس طرح کی دوسری آیتیں صراحت کرتی ہیں کہ تمام اختلافی اور متنازعہ امور میں فیصلہ کا حق اللہ ہی کو ہے لہٰذا اللہ کے دین نے جن باتوں کو بھی اپنے دائرہ میں لیا ہے ان میں سے کسی معاملہ میں بھی کسی اور کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا جا سکتا خواہ اس کا تعلق عقائد و عبادات سے ہو یا معاشرتی، تمدنی اور سیاسی امور سے۔ اس آیت میں اللہ کی حاکمیت کو دوٹوک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ:

اولاً لوگوں کے درمیان مذہب کے تعلق سے جو اختلافات رونما ہو گئے ہیں ان کے سلسلہ میں وہ اللہ کی کتاب ۔۔ قرآن ۔۔ کو حکم مانیں۔

ثانیاً حلال و حرام، عائلی (نکاح، طلاق، نفقہ وغیرہ) تہذیبی (آرٹ وغیرہ) تمدنی اور سیاسی مسائل میں اللہ ہی کے احکام کی طرف رجوع کریں اور ایسی کوئی قانون سازی نہ کریں جو اس کے قانون اور اس کے رسول کے طریقہ (سنت) کے خلاف ہو۔

ثالثاً اللہ کے دین میں نہ کوئی اضافہ کیا جائے اور نہ کمی۔ جو بدعتیں مسلمانوں کے مختلف فرقوں نے ایجاد کی ہیں ان کو رد کر دیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے آگے کسی کے قول کو کوئی وزن نہ دیا جائے اور نہ کسی کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا جائے۔ کھلے ذہن سے ہر اس بات کو قبول کیا جائے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے اور جو اس کے رسول کی سنت سے ثابت ہے۔

۱۹۔ یعنی اسی خلق (پیدائش) میں اللہ نے یہ برکت رکھی کہ نسلیں پھیلتی چلی جارہی ہے۔

۲۰۔ یہ بات کہ اللہ کے جیسی کوئی چیز نہیں، عقائد کے باب میں بہت بڑی حقیقت کا اعلان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور بے مثال ہے۔ مخلوق پر خالق کو نہ قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ مخلوق سے اسے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ اہلِ مذاہب کی گمراہی کی اصل وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے خالق اور اپنے رب کو مخلوق اور بندوں پر قیاس کیا اور پھر گمراہ کن فلسفے ایجاد کئے۔ مسلمانوں میں بھی جو کلامی بحثیں اٹھ کھڑی ہوئیں وہ بھی اس اصل سے انحراف ہی کا نتیجہ تھیں۔ عقیدہ کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ کسی قسم کی فلسفیانہ بحث میں پڑے بغیر اس سادہ حقیقت پر یقین کیا جائے کہ اللہ کے جیسی کوئی چیز نہیں۔

۲۱۔ اس کی تشریح سورۂ زمر نوٹ ۱۱۰ میں گزر چکی۔

۲۲۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ رعد نوٹ ۵۸۔

۲۳۔ اس آیت کے مفہوم کو صحیح طور سے سمجھنے کیلئے سلسلۂ کلام کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سورہ کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ یہ قرآن اسی طرح کی وحی ہے جس طرح کی وحی وہ رسولوں کی طرف بھیجتا رہا ہے۔ یہ کوئی نرالی چیز نہیں ہے جس سے انسان نا آشنا ہو۔ پھر اس ہستی کی معرفت بخشی گئی ہے جس کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے اور اس سلسلہ میں توحید کی نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اسی سیاق میں یہاں واضح کیا جارہا ہے کہ جس دین کی دعوت قرآن اور اس کا پیغمبر پیش کر رہا ہے وہ دین توحید ہے اور یہ وہی دین ہے جو تمام جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا دین رہا ہے لہٰذا اسی دین توحید کی مخلصانہ پیروی کرو اور اس میں نئی راہیں (بدعتیں نہ نکالو) کہ دین حق کا سرا ہاتھ سے چھوٹ جائے اور الگ الگ مذہبی گروہوں اور فرقوں میں بٹ کر رہ جاؤ۔

حضرت نوح پہلے رسول تھے جو انسانی آبادی کی طرف بھیجے گئے تھے انہیں جس دین پر چلنے کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی وہی دین اس نے اس رسول پر بھی نازل کیا ہے اور یہی دین ان جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا رہا ہے جس کی طرف مختلف ملتیں منسوب ہیں۔ یہ دین ۔۔۔ اسلام ۔۔۔ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہے، گو شریعتیں مختلف رہی ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (مائدہ:۴۸)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک (گروہ) کیلئے ایک شریعت اور ایک منہاج (راہِ عمل) ٹھہرادی ہے۔''

شریعتوں کا یہ اختلاف فروع کی حیثیت رکھتا ہے جن کا اصولِ دین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اصول دین میں توحید، آخرت، رسالت، ایک اللہ کی عبادت واطاعت، تقویٰ و پرہیزگاری، حق کی تلقین اور عدل واحسان جیسے بنیادی امور شامل ہیں اور شریعت تو اللہ کی اطاعت کی شکل اور اس کی تفصیل ہے جو دین کا لازمہ ہے۔ شریعت پر بھی اگرچہ دین کا اطلاق ہوا ہے جیسا کہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (مائدہ: ۳) ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا'' میں ہوا ہے تاہم یہاں چونکہ انبیاء علیہم السلام کے مشترک دین کو پیش کیا گیا ہے اس لئے یہاں دین سے مراد اصول دین ہی ہیں لیکن اس کا مطلب یہ لینا صحیح نہ ہوگا کہ شریعت دین سے بالکل خارج ہے کیوں کہ اصول دین میں جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کیا اللہ کی عبادت واطاعت شامل ہے اور اسی کی عملی شکل اور اس کا تفصیلی عمل نظام شریعت ہے۔ قرآن میں دین کا لفظ جامع مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے اور کبھی اس کے خاص پہلو کیلئے بھی مثلاً:

وَاِذَا غَشِیَھُمْ مَوْجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ۔ (لقمان: ۳۲)

''اور جب موجیں سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں دین (خضوع وبندگی) کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے۔''

اس آیت میں دین کا لفظ خضوع اور بندگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیوں کہ مشرکین کا طوفان سے دوچار ہونے پر اللہ ہی کو پکارنا، اس سے عاجزی کرنے کے مفہوم میں ہے نہ کہ اس کی شریعت کو خالصۃً قبول کرنے کے معنی میں۔ اس لئے اگر آیت زیر بحث میں دین کا لفظ اصول دین کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو یہ محل کلام کے تقاضے کے تحت ہوا ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ تکلف سے کام لیکر شریعت کی تفصیلات کو بھی اس میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے۔ جمہور مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں دین سے اصول دین ہی مراد لئے ہیں۔ امام رازی لکھتے ہیں۔

''تو ضروری ہے کہ دین سے مراد وہ امور ہوں جو اختلاف شرائع کی بنا پر مختلف نہیں ہوتے اور وہ ہیں اللہ، اسکے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخر پر ایمان، اور ایمان سے لازم آتا ہے کہ آدمی دنیا سے اعراض کرے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوجائے مکارم اخلاق کیلئے کوشش کرے اور رذائل سے احتراز کرے۔'' (التفسیر الکبیر ج ۲۷ ص ۱۵۶)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں:

مراد دینِ اسلام کی اقامت ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت اور اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور یومِ جزا پر ایمان نیز ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جن کو قائم کرنے سے آدمی مسلم ہوجاتا ہے۔ اور مراد شریعتیں نہیں ہیں جو امتوں کے حسبِ حال مصالح پر مشتمل ہوتی ہیں کیوں کہ وہ مختلف اور متفادت ہوتی ہیں۔'' (الکشاف ج ۳ ص ۴۶۳)

قریب قریب یہی بات علامہ آلوسی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۲ ص ۲۱)

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''یعنی قدر مشترک ان (انبیاء) کے درمیان ایک اللہ کی عبادت ہے جس کا کوئی شریک نہیں اگرچہ ان کی شریعتیں اور ان کے منہاج مختلف ہیں۔''
(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۰۹)

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''اللہ کا دین شروع سے اسلام ہے جیسا کہ ارشاد ہے ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ'' (اصل دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔) اس دین کی بنیاد خالص اور کامل توحید پر ہے۔ یہی دین اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی دیا اور یہی دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

بھی نازل کیا۔اس کے عقائداوراس کے اساسات شروع سے آخرتک بالکل ایک ہی ہیں۔فرق اگر ہواہےتو جزئیاتِ شریعت میں ہواہے جس کوقرآن نے شرعۃ ومنہاج کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔'' (تدبر قرآن ج ۶ ص ۱۵۳)

لیکن صاحب تفہیم القرآن نے ان لوگوں پر سخت گرفت کی ہے جنہوں نے اس موقع پر دین سے مرادشرعی احکام وضوابط نہیں لئے ہیں بلکہ صرف اصولی باتیں مراد لی ہیں جوتمام انبیاء علیہ السلام کے درمیان مشترک رہی ہیں۔فاضل مفسر نے اس رائے کوخطرناک قرار دیتے ہوئے لکھاہے کہ:

''اگر اس کی اصلاح نہ کردی جائے تو آگے بڑھ کر بات دین وشریعت کی اس تفریق تک جا پہنچے گی جس میں مبتلا ہوکر سینٹ پال نے دین بلاشریعت کانظریہ پیش کیا اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی امت کوخراب کردیا۔اس لئے کہ جب شریعت دین سے الگ ایک چیز ہے اور حکم صرف دین کوقائم کرنے کا ہے نہ کہ شریعت کوتو لامحالہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح شریعت کوغیراہم اوراسکی اقامت کوغیرمقصود بالذات سمجھ کرنظرانداز نہ کردیں گے اور صرف ایمانیات اورموٹے موٹے اخلاقی اصولوں کولیکر بیٹھ جائیں گے۔'' (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۴۸۴)

مگر یہ صریح مغالطہ ہے کسی بھی مفسر نے یہ بات نہیں کہی کہ شریعت دین سے خارج ہے یا شریعت پر دین کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ کسی مفسر نے شریعت کی اہمیت گھٹادی ہے۔بات صرف یہ ہے کہ سورہ شوریٰ کی اس آیت میں جوزیر بحث ہے،متعدد مفسرین شرعی احکام وضوابط کوشامل نہیں سمجھتے۔ان کے نزدیک ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن میں کہیں بھی دین کا لفظ شریعت کے معنی میں نہیں آیا ہے یا دین کا لفظ جہاں بھی آیا ہے اس میں شریعت شامل نہیں ہے۔قرآن میں ایسے کتنے الفاظ ہیں جوایک جگہ محدود معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور دوسری جگہ اپنے وسیع تر معنی میں۔مثال کے طور پر طاغوت کا لفظ کہیں بت کیلئے استعمال ہواہے تو کہیں شیطان کے لئے اور کہیں گمراہ پیشواؤں اور حاکموں کیلئے تو کہیں سرکش اور مفسد لوگوں کے لئے۔اب اگر ایک مفسر ایک آیت میں محلِ کلام کوملحوظ رکھتے ہوئے طاغوت سے مراد بت لیتا ہے تو اس پر یہ الزام کیسے عائد کیا جاسکتا ہے کہ وہ دوسری چیزوں کے طاغوت ہونے کا منکر ہے؟

آیت زیر تفسیر میں دین کے ساتھ''اقیموا'' کا لفظ آیا ہے جس کا مصدر اقامۃ ہے اور اقامۃ کے معنی عربی میں کسی چیز کا حق پوری طرح ادا کرنے کے ہیں:۔

اقامۃُ الشیٔ توفِیۃُ حقۃ (مفردات راغب ص ۴۳۹) ''کسی چیز کی اقامت اس کے حق کو پورا پورا ادا کرنا ہے۔''

امام راغب نے آگے صراحت کی ہے کہ اقامت صلوٰۃ سے مقصود محض نماز پڑھنا نہیں بلکہ نماز کواس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہے۔اور (سورۂ مائدہ آیت ۶۸ میں) تورات وانجیل کوقائم کرنے سے مراد علم وعمل سے ان کے حقوق پورے پورے ادا کرنا ہے۔

اورلسان العرب میں ہے:

اَقَامَ الشیٔ: اَدَامہٗ من قولہ تعالیٰ: وَیُقِیْمُونَ الصَّلوٰۃَ۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۴۹۸)

''کسی چیز کوقائم کرنا یعنی اس کودائمی طور پر کرتے رہنا ہے۔اسی معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد، وہ نماز کوقائم کرتے ہیں۔''

اوراقامت کے معنی سیدھا رکھنے کے بھی آتے ہیں۔قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَاَنْ اَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا۔ (یونس:۱۰۵) ''اپنا رخ دینِ حنیف کی طرف سیدھا رکھو۔''

وَاَقِیْمُوْا وُجُوھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (اعراف:۲۹) ''اوراپنا رخ سیدھا رکھو ہر عبادت گاہ میں۔''

لہٰذا اقیموا الدین کے معنی ہوئے''دین کوسیدھا رکھو'' اس پر عمل پیرا ہوجاؤ اوراس کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔اوردین کا حق سب سے پہلے

اپنی ذات سے متعلق ہوتا ہے اس کے بعد دوسروں سے متعلق۔اس لئے خطاب کا رُخ یہاں فرد کے اپنے عقائد و اعمال اور اس کی اپنی اصلاح کی طرف ہے کیونکہ یہی نقطۂ آغاز ہے اور دین میں اس کو اوّلیت حاصل ہے۔علامہ آلوسی نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے:۔

''اس کی اقامت سے مراد اس کے ارکان کی تعدیل اور اس بات سے اس کی حفاظت کرنا ہے کہ اس میں کوئی ٹیڑھ نہ پیدا ہو جائے نیز اس پر ہمیشہ عمل پیرا رہنا ہے۔'' (روح المعانی ج ۹ ص ۲۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''یعنی سب انبیاء اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دینِ الٰہی کو اپنے قول و عمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق و اختلاف کو روا نہ رکھیں۔'' (تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۶۲۸)

اور مولانا امین احسن صاحب فرماتے ہیں:

قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی جو باتیں ماننے کی ہیں وہ سچائی کے ساتھ مانی جائیں جو کرنے کی ہیں وہ دیانت داری اور راستبازی کے ساتھ کی جائیں نیز لوگوں کی برابر نگرانی کی جائے کہ اس سے غافل یا منحرف نہ ہونے پائیں۔اور اس بات کا بھی پورا اہتمام کیا جائے کہ اہلِ بدعت اس میں کوئی رخنہ نہ پیدا کر سکیں۔ (تدبر قرآن ج ۶ ص ۱۵۳)

اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ''وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ'' ''یعنی اس معاملہ میں تفرقہ میں نہ پڑو۔'' تو تفرقہ میں پڑنا اقامتِ دین کی ضد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کے معاملہ میں نئی نئی راہیں نہ نکالو، اس پر اپنی طرف سے نہ کوئی اضافہ کرو اور نہ کمی، اپنی طرف سے مذاہب نہ تراشو، اور نہ کسی مذہب کا جوڑ اس دین سے لگاؤ، بدعتیں اس میں داخل نہ کرو کہ دین کی اصل شاہراہ سے ہٹ جاؤ اور فرقوں میں بٹ کر رہ جاؤ۔اللہ کا دین ایک چشمۂ صافی ہے اور یہی انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے۔لہٰذا اس کو ہر طرح کی آمیزش سے ہمیشہ پاک اور خالص رکھو۔اس میں جو چیز بھی ملائی جائے گی وہ زہر ہی ہوگا۔

یہ ہے اقامتِ دین کا سیدھا سادا مفہوم جس کی تائید عربی لغت سے بھی ہوتی ہے اور جمہور مفسرین کی تشریحات سے بھی، لیکن موجودہ دور کی اسلامی تحریکیں اقامتِ دین کو ایک جامع اصطلاح کے طور پر مسلمانوں کے نصب العین کی حیثیت سے پیش کر رہی ہیں جس کا اثر دین کے مزاج پر بھی پڑ رہا ہے اور دعوت کے مزاج پر بھی۔سورۂ شوریٰ کی یہ آیت اقامتِ دین کو فریضہ کے حیثیت سے پیش کرتی ہے نہ کہ نصب العین کی حیثیت سے۔فریضہ تو بندہ کی ذمہ داری ہوتی ہے جسے لامحالہ اسے ادا کرنا ہوتا ہے جب کہ نصب العین منزلِ مقصود اور کوششوں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی چیز ہے۔قرآن نے فلاحِ آخرت کو نصب العین کی حیثیت سے پیش کیا ہے چنانچہ مکی سورتیں آخرت اور اس کی کامیابی پر ہی نگاہوں کو مرتکز کرتی ہیں اور مدنی سورتوں میں بھی اسی کو گوہرِ مقصود کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

پھر اقامتِ دین کو جامع اصطلاح قرار دیکر اس کی تشریح و توضیح اس طرح کی جا رہی ہے کہ دین کے وہ تقاضے جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔اسلام کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کے قیام کو اولیت حاصل ہو جاتی ہے اور عقیدہ و عبادت کا پہلو جسے قرآن نے یہاں ابھارا ہے دب جاتا ہے یہاں تک کہ اَقِيمُوا الدِّينَ کا ترجمہ ''اسلامی نظامِ زندگی قائم کرو'' کیا جاتا ہے اور قائم کرو سے زمین پر قائم کرنا مراد لیا جاتا ہے اور زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ اقتدار حاصل کر کے اسلام کے سیاسی نظام کو قائم کر دو اور اس کے قوانین نافذ کر دو۔ان میں سے کوئی بات بھی بجائے خود غلط نہیں ہے کیوں کہ قرآن میں ان سب باتوں کی ہدایت کی گئی ہے لیکن ہر بات کا ایک محل ہے۔سورۂ شوریٰ کی یہ آیت اس کا محل نہیں ہے اس

لئے اسلام کے اجتماعی تقاضوں کو یہاں چسپاں کرنا سراسر تکلف ہے۔اس تکلف سے عربی کی مستند تفاسیر پاک ہیں مگر موجودہ زمانہ میں سیاسی ومعاشی نظاموں کی کشمکش نے ذہنوں کو متاثر کیا ہے اوراس کے زیراثر اسلامی تحریکیں دین کو نئے اسلوب میں پیش کررہی ہیں جس میں بنیاد کو قائم کرنے سے پہلے ہی عمارت کو تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔گویا جو چیز دین میں اولین توجہ کی مستحق تھی اس کی اہمیت کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا گیا اور جو چیز بعد کے مرحلہ کی تھی اس کو ابتدائی مرحلہ ہی میں مرکزِ توجہ بنادیا گیا۔نتیجہ یہ کہ جو دین دلوں پر قائم ہوتا ہے وہ بہت کم زیر بحث آتا ہے اور جو دین زمین پر قائم ہوتا ہے وہ بحث کا اصل موضوع بنتا ہے۔

جن انبیاء علیہم السلام کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے ان کا اسوہ بھی اقامتِ دین کے مفہوم کو متعین کرتے وقت سامنے رہنا چاہئے۔حضرت نوح نے اپنی طویل زندگی قوم کو دعوت دینے میں گزاری۔یہ دعوت بت پرستی اور شرک کو چھوڑ دینے اور توحید کو قبول کرنے کی تھی۔البتہ جب قوم پر عذاب آیا تو اس کی تباہی کے بعد اہلِ ایمان کو اقتدار حاصل ہوا اور اسلام نے اجتماعی ہیئت کی شکل اختیار کرلی۔دوسری شخصیت ابراہیم السلام کی ہے۔آپ نے بھی اپنی بت پرست قوم کو جھوٹے معبودوں کو چھوڑنے اور توحید کو قبول کرنے کی دعوت دی اور حق وباطل کی اسی کشمکش میں آپ کو بالآخر ہجرت کرنا پڑی۔ ہجرت کے بعد آپ نے اپنی اولاد کو آزاد ماحول میں بسایا تا کہ ان پر اللہ ہی کے دین کا اقتدار قائم ہو اور وہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیں،اس مقصد کیلئے انہوں نے فلسطین اور مکہ دونوں کا انتخاب کیا۔تیسری شخصیت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔آپ نے فرعون اوراس کی قوم کے سامنے دعوتِ توحید پیش کی اور بنی اسرائیل کو جو پہلے سے مسلمان تھے صبر کے ساتھ اسلام کے بنیادی احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ مصر کو چھوڑ کر آپ بنی اسرائیل کے ساتھ نکل گئے اور جب کوہِ طور کے دامن میں آپ کو شریعت عطاء ہوئی تو اس آزادانہ ماحول میں اس کے احکام بنی اسرائیل پر نافذ کئے گئے۔چوتھی شخصیت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے۔آپ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور بنی اسرائیل پر رومیوں کی حکومت تھی۔چونکہ اس وقت بنی اسرائیل میں بگاڑ عام ہوگیا تھا،ان کی سرکشی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور دینداری محض رسمی حیثیت سے باقی رہ گئی تھی اس لئے آپ نے دین کی اصل حقیقت کو اجاگر کیا اور اللہ کی اطاعت وبندگی کی دعوت دی۔ایک مسلمان قوم کے موجود ہوتے ہوئے آپ نے یہ نہیں کہا کہ قیصر کی حکومت کو ہٹاؤ اور اسلامی نظام حکومت قائم کردو۔اور ایسا نہ کہنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کے دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا اور آپ وقت کے سیاسی نظام میں انہیں فٹ کرنا چاہتے تھے بلکہ اس لئے کہ مسلمانوں کا معاشرہ بالکل کھوکھلا ہوگیا تھا اور ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ کوئی سیاسی اقدام کیا جاتا۔ورنہ تورات میں سیاسی احکام تو اس وقت بھی موجود تھے جو اسلام کیلئے اقتدار کے متقاضی تھے۔آخری شخصیت نبی ﷺ کی ہے۔آپ نے تیرہ سال تک مکہ میں جو دعوت دی وہ شرک وبت پرستی کو ترک کرنے اور توحید''آخرت'' رسالت جیسی حقیقتوں کو قبول کرنے کی دعوت تھی اور اہل ایمان کی جو جماعت تشکیل پائی اس کیلئے تقویٰ کی بنیادیں فراہم کیں تا کہ ہر ہر فرد کی زندگی سنور جائے یہاں تک کہ ہجرت کا مرحلہ پیش آگیا اور آپ کو مدینہ میں آزاد اسلامی ریاست قائم کرنے کے مواقع میسر آئے اور اسی دوران شریعت کے وہ احکام بھی نازل ہوئے جن کا تعلق اسلام کے غلبہ اوراس کے سیاسی نظام کو قائم کرنے سے ہے۔بلاشبہ آپ نے اسلام کے سیاسی نظام اور اجتماعی نظام کو قائم اور نافذ کرکے دکھایا لیکن سوال یہ ہے کہ جس وقت سورۂ شوریٰ کی آیت **اَنْ اَقِیموا الدین** (دین کو قائم کرو) نازل ہوئی تو کیا آپ نے اسی وقت مسلمانوں کو اسلام کا سیاسی نظام قائم کرنے کی دعوت دی یا آپ اس کے لئے زمین ہموار کرتے رہے؟اگر زمین ہموار کرتے رہے تو یہی کام موجودہ دور میں بھی مجبور کن حالات میں کیا جاسکتا ہے یعنی ایسے حالات میں جہاں مسلمانوں کو اقتدار حاصل نہ ہو یا اس کے حصول کی راہیں بظاہر مسدود ہوں لہٰذا اس سلسلہ میں جو خدمت بھی انجام دی جائیگی وہ اقامت دین ہی کا کام ہوگا۔

مگر موجودہ اسلامی تحریکیں اقامتِ دین کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھتی ہیں اور دوسروں کی دینی خدمات اوران کی دعوتی جدوجہد کو اقامتِ دین سے تعبیر کرنے

کے لئے تیار نہیں ہیں یہ غلط ذہنیت اس لئے پیدا ہوگئی ہے کہ انہوں نے قرآن کے اس سادہ حکم کو کہ دین قائم کرو، نظام اسلامی اور اس طرح کی دوسری ترکیبیں بہ کثرت استعمال کر کے ایک خاص اصطلاح کی حیثیت دیدی اور پھر اس معیار پر دوسروں کے کام کو جانچنا شروع کیا تو ان کو اپنے سوا کوئی بھی اقامتِ دین کا علمبردار نظر نہیں آیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سب جزئی کام کر رہے ہیں اور دین کی کلی خدمت ان ہی کے حصہ میں آئی ہے۔

واضح رہے کہ اَقِیموا الدین (دین کو قائم رکھو) کی ترکیب پورے قرآن میں صرف ایک جگہ ہی آئی ہے اور وہ ہے سورۂ شوریٰ کی یہ آیت۔ جبکہ قرآن نے اس حکم کو جو ان الفاظ میں یہاں بیان ہوا ہے دوسرے الفاظ اور دوسری ترکیبوں میں متعدد مقامات پر بیان کر دیا ہے۔ پھر اقامتِ دین کے الفاظ ہی کو نصب العین کی تعبیر کیلئے کیوں ضروری قرار دیا جائے؟

(اقامتِ دین کے موضوع پر راقم سطور کی وہ تحریریں جو تفسیر دعوۃ القرآن سے پہلے کی ہیں اور آیت کی اس تشریح و توضیح سے مطابقت نہیں رکھتیں ان سے راقم سطور رجوع کرتا ہے۔

غلط فہمی کے ازالہ کیلئے چند باتیں مزید وضاحت کے طور پر پیش کی جارہی ہیں:۔

۱) دین کے وسیع مفہوم میں شریعت یقیناً شامل ہے لیکن سورۂ شوریٰ کی زیر بحث آیت میں اصول دین ہی مراد ہیں کیونکہ اس آیت میں اقامتِ دین کا حکم انبیاء علیہم السلام کے دین کی یکسانیت اور وحدت کو پیش کرتے ہوئے دیا گیا ہے اور ظاہر ہے یکسانیت اصولِ دین ہی میں ہوسکتی ہے۔ شریعتیں تو مختلف رہی ہیں البتہ اللہ کی کامل اطاعت اصولِ دین میں شامل ہے اور اس اطاعت کی عملی شکل شریعت کی پیروی ہی ہے۔ جو لوگ اس آیت میں دین کے مفہوم میں شریعت کو شامل کرنے پر مصر ہیں ان کی توجیہ کے مطابق تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ''اس نے تمہارے لئے وہی شریعت مقرر کی ہے جس کی ہدایت اس نے نوح کو کی تھی۔'' ظاہر ہے یہ معنی یہاں کسی طرح موزوں نہیں ہیں۔

۲) یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک لفظ کا مفہوم وسیع ہو تو ہر جگہ وسیع مفہوم ہی مراد لیا جائے۔ مثال کے طور پر اسلام کے وسیع تر مفہوم میں ایمان بھی داخل ہے لیکن سورۂ حجرات کی آیت ۲ میں اسلام کا لفظ اپنے ابتدائی معنی (اطاعت قبول کرنیکے معنی) میں استعمال ہوا ہے:۔ ''بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم نے اسلام (اطاعت) قبول کرلیا۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا ہے۔''

واضح ہوا کہ محل کلام نے ایک لفظ کے وسیع مفہوم کو بھی محدود کر دیا لہٰذا یہ بات کہ محل کلام کو نظر انداز کر کے لفظ کے وسیع مفہوم کو ہر جگہ چسپاں کرتے چلے جائیں صحیح نہیں۔ ایسا کرنے سے وہ پہلو دب جاتا ہے جس کو قرآن موقع کی مناسبت سے ابھارنا چاہتا ہے۔

۲۴۔ نبی کریم ﷺ توحید کی دعوت دے رہے تھے اور یہی بات مشرکین کو سخت ناگوار تھی۔

۲۵۔ اللہ کی مشیت اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے جو شخص اس کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی رہنمائی کا سامان کرتا ہے اور توفیق عطا کرتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ پر چلے۔ دینِ حق کو قبول کر کے اس کی روشنی میں چلنے کی سعادت ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس کارِ عظیم کے لئے منتخب فرماتا ہے۔

۲۶۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۳۰۹۔ سورۂ آلِ عمران نوٹ ۲۸۔ اور سورۂ حٰم السجدہ نوٹ ۲۸۔

۲۷۔ یعنی دنیا میں عمل کی مہلت دینے کا فرمان۔

۲۸۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حٰم السجدہ نوٹ ۶۹۔

۲۹۔ یعنی اہلِ کتاب نے جو تحریف شدہ کتابیں تورات، انجیل وغیرہ ورثہ میں پائی ہیں ان کے بارے میں وہ خود شک اور الجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں

انہیں یقین اور وثوق حاصل نہیں ہے کہ موجودہ کتابوں میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ ٹھیک وہی ہیں جو اصل کتاب میں موجود تھیں۔ اب اس شک سے نکلنے کا ذریعہ قرآن ہے جو اللہ کا محفوظ کلام ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ
وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ
بَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ
لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ
يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

[۱۵] لٰہذا تم اسی دین کی دعوت دو، اوراس پر قائم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے ۳۰؎ ۔اوران لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو ۳۱؎۔ اور کہو اللہ نے جو کتاب اتاری ہے اس پر میں ایمان لایا ۳۲؎، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں ۳۳؎۔ اللہ ہمارا رب بھی ہے۔اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث نہیں ۳۴؎۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ
دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

[۱۶] جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ اس کی پکار پر لبیک کہا جا چکا ہے ۳۵؎، ان کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے ۳۶؎، اور ان پر غضب ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾

[۱۷] اللہ ہی ہے جس نے کتاب، حق کے ساتھ اُتاری ہے اور میزان بھی ۳۷؎ ۔اور تمہیں کیا خبر شاید قیامت کی گھڑی قریب آ لگی ہو ۳۸؎۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

[۱۸] اس کیلئے جلدی وہی لوگ مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے ۳۹؎ ۔ایمان رکھنے والے تو اس سے ڈرتے ہیں ۴۰؎۔ اور جانتے ہیں کہ وہ ایک حقیقت ہے ۔سنو! جو لوگ اس گھڑی کے بارے میں بحث میں الجھ رہے ہیں وہ گمراہی میں دور جا پڑے ہیں ۔ ۴۱؎

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ
الْقَوِىُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

[۱۹] اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے۔اور وہ بڑی قوت والا اور غالب ہے۔ ۴۲؎

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ
كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ
مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾

[۲۰] جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے ہم اس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں ۴۳؎۔ اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے ہم اس کو اسی میں سے دیتے ہیں، مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ۴۴؎

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ
بِهِ اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ ۗ
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

[۲۱] کیا ان کے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کیلئے مذہبی طریقے ایجاد کئے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ۴۵؎ ۔اگر فیصلہ کی بات (کہ وقتِ مقرر پر کیا جائے گا) طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا ۴۶؎ ۔یقیناً ان ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

۳۰۔ یعنی جب صورتِ حال یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے الگ الگ مذہب بنائے ہیں اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں تو تمہارا کام ان سب کو دینِ حق کی طرف دعوت دینا ہے اور خود اس پر جمے رہنا ہے۔

یہاں بھی اقامتِ دین کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ دینِ حق پر خود بھی قائم رہو اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو۔

۳۱۔ یعنی دین کے معاملہ میں اتباع وحیِ الٰہی کی ہونی چاہیئے نہ کہ لوگوں کی خواہشات کی۔ لوگوں نے جب اپنی خواہشات کو دین میں داخل کیا تو اس میں طرح طرح کی بدعتوں نے راہ پائی یہاں تک کہ دین کا حلیہ ہی بگڑ کر رہ گیا اور نت نئے مذاہب وجود میں آ گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ فرقوں میں بٹ کر رہ گئے۔

۳۲۔ یعنی اس شان کی کتاب کہ وہ حق کو دو ٹوک انداز میں پیش کرتی ہے۔

۳۳۔ یعنی کسی فرد یا فرقہ کے ساتھ جانب داری نہ برتو اور نہ کسی فرد یا مذہب کے خلاف ایسی بات کہوں جو عدل و انصاف کے خلاف ہو، بے لاگ انصاف کی بات کہنا میرا فرض منصبی ہے۔

۳۴۔ یعنی دلائل واضح ہو جانے کے بعد اگر تم نہیں مانتے تو بحث کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ معاملہ اللہ کی عدالت کے سپرد ہے وہاں اس نزاع کا فیصلہ ہو جائے گا۔

۳۵۔ یعنی جب کہ انسان کی فطرت اپنے رب کی پکار پر لبیک کہہ چکی ہے۔ فطرتِ انسانی ایک خدا ہی سے جو اس کا خالق ہے آشنا ہے اور دنیا میں آنے سے پہلے ہر شخص کی روح اپنے ربِ حقیقی کا اقرار کر چکی ہے۔ (سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۷۲، نوٹ ۲۶۵)

۳۶۔ یعنی اللہ کے بارے میں ایسی حجتیں پیش کرنا جو انسان کی فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور اس کے قلب و ضمیر کی آواز کے خلاف ہیں کٹ حجتی کے سوا کچھ نہیں۔ اور اللہ کے بارے میں کٹ حجتی اور منطق چھانٹنا بالکل باطل ہے۔

۳۷۔ میزان یعنی عدل و انصاف کو قائم کرنے والی چیز کتابِ الٰہی خدائی میزان (Divine Balance) ہے جو انسانی سوسائٹی کے لئے قیامِ عدل کا ذریعہ ہے۔ یہ ایسے اصول اور ایسے احکام و قوانین پر مشتمل ہے جن کو روبہ عمل لانے اور جن کے مطابق متنازعہ امور کا فیصلہ کرنے سے انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں عدل کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ یہ میزان ہر چیز کی قدر متعین کرتی ہے کہ کون سا عمل کیا اہمیت اور فضیلت رکھتا ہے اور کن باتوں کو دین میں اولیت حاصل ہے۔ تا کہ کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہو۔

واضح رہے کہ میزان کا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے جس کے احکام قرآن اور سنت دونوں میں بیان ہوئے ہیں کیونکہ وہ ایک عادلانہ نظام ہے۔

۳۸۔ یعنی اللہ نے کتاب اور میزان اس لئے نہیں نازل کی ہے کہ لوگوں کیلئے اس کا ماننا اور نہ ماننا یکساں ہو بلکہ اس لئے نازل کی ہے کہ تا کہ اس کو ماننے اور نہ ماننے کے الگ الگ نتائج ظاہر ہوں جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن مقرر کیا ہے جو عجب نہیں کہ قریب ہی آ لگا ہو۔

۳۹۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ قیامت کو اگر آنا ہے تو وہ آ کیوں نہیں جاتی۔ اس طرح وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

۴۰۔ یعنی اللہ کی عدالت میں حاضر ہونے اور اس کے حضور جواب دہی سے وہ خائف رہتے ہیں۔

۴۱۔ قیامت کا انکار صریح گمراہی ہے اور اس کے بارے میں بحث میں الجھنا گمراہی میں دور نکل جانا ہے۔

۴۲۔ یہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ جب حقیقت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی تو اللہ کافروں کو رزق کیوں دیتا ہے؟ فرمایا اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لئے وہ کافروں کو بھی رزق دیتا ہے۔ رزق کا معاملہ اس کی مشیت پر موقوف ہے وہ جس کو چاہے رزق دے اور اس کی مشیت پوری ہو کر رہتی ہے۔ اس کو

روکنے والا کوئی نہیں۔ اللہ اگر اپنے بندوں پر مہربان نہ ہوتا تو کفر کرنے پر ان کا دانا پانی فوراً بند کر دیتا مگر وہ انہیں مہلتِ عمل دیتا ہے تاکہ ان میں اپنے رب کے مہربان ہونے کا احساس پیدا ہو اور وہ اس کی طرف پلٹیں۔

۴۳۔ یعنی جو آخرت کے لئے بیج بوئے گا اور اس کی آبیاری کریگا اللہ اس کی نشوونما کرے گا اور جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اپنی فصل کو بالکل تیار پائے گا۔

یہ آیت اور قرآن کی دوسری کتنی ہی آیتیں آخرت کو نصب العین، مقصود اور غایت کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں اس لئے آخرت کو عمل کیلئے صرف محرک سمجھنا صحیح نہیں۔ وہ محرک بھی ہے اور مقصود بھی لہٰذا نگاہیں آخرت کی کامیابی پر ہی مرتکز ہونی چاہئیں۔

۴۴۔ یعنی جو شخص آخرت کو مقصود بنانے کی بجائے دنیا کو مقصود بناتا ہے اس کو دنیا کی ساری چیزیں تو نہیں ملتی البتہ جس قدر اللہ چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ لیکن اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا کیوں کہ جب اس نے آخرت کو مقصود نہیں بنایا تو اس کو آخرت کی نعمتیں کیوں ملنے لگیں۔ جب اس نے وہاں کیلئے کچھ بویا ہی نہیں تو فصل کس طرح اُگے گی؟

۴۵۔ یعنی کیا انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں کو شریکِ خدا کی حیثیت دی ہے کہ انہوں نے ان کیلئے مذہب ایجاد کر دیئے جن کی اللہ نے ہرگز اجازت نہیں دی اس سوال میں کئی اہم حقیقتیں پوشیدہ ہیں:

ایک یہ کہ جن مذہبی پیشواؤں نے اپنی طرف سے مذہب ایجاد کئے یا جن لیڈروں نے اپنی طرف سے مذہبی طور طریقے رائج کئے یا اللہ کے قوانین کے مقابلہ میں اپنی مرضی سے قوانین بنائے، انہوں نے اپنے کو اللہ کے اختیارات میں شریک سمجھا ورنہ اللہ نے ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی تھی کہ وہ لوگوں کیلئے کوئی مذہب ایجاد کریں یا مذہبی طریقہ مقرر کریں یا اپنی مرضی سے شریعت بنائیں یا قانون سازی کریں خواہ وہ اللہ کی شریعت اور اس کے قوانین کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

دوسری یہ کہ جو لوگ اپنے مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں کے پیچھے چل رہے ہیں اور اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے مقابل ان کے مقرر کئے ہوئے طور طریقوں یا قوانین کی پیروی کر رہے ہیں انہوں نے درحقیقت ان کو شریک خدا کی حیثیت دے رکھی ہے خواہ وہ زبان سے ان کو شریکِ خدا کہیں یا نہ کہیں کیوں کہ بندوں کیلئے مذہبی طور طریقے مقرر کرنا یا قانونِ زندگی بنانا اللہ ہی کا حق ہے اس کے حق میں دوسروں کو شریک کرنا ان کو خدا کا شریک ٹھہرانے کے ہم معنی ہے۔

تیسری یہ کہ اللہ کے منظور کردہ دین۔۔۔اسلام۔۔۔کے سوا جو مذہب بھی بنائے گئے ہیں ان میں سے کسی کی پیروی کے لئے بھی وجہ جواز نہیں ہے اس لئے جس مذہب کی بھی پیروی کی جائے گی وہ اللہ کا منکر اور نافرمان قرار پائے گا۔

چوتھی یہ کہ اللہ کے دین نے جن باتوں کو اپنے دائرہ میں لیا ہے ان میں سے کسی کے مقابل کوئی طریقہ رائج کرنے یا قانون سازی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ جو شخص یہ حرکت کرتا ہے وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

۴۶۔ یعنی آخری فیصلہ کیلئے قیامت کا دن مقرر نہ کیا گیا ہوتا تو دنیا ہی میں فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا۔

یہی وہ چیز ہے جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ان بندوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔(اے نبی! ان سے ) کہو میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت ہے (جس کا تقاضا پورا کرر ہا ہوں۔) جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کیلئے اس کی نیکی میں خوبی کا اضافہ کریں گے۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا قدرداں ہے ۔(القرآن)

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ
بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ
الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

[۲۲] تم دیکھو گے کہ ظالم اپنی کمائی کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر آ کر رہے گا۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ جنت کے باغیچوں میں ہونگے ۴۷؎ ۔ وہ جو کچھ چاہیں گے ان کو ان کے رب کے پاس ملے گا۔ یہی ہے بہت بڑا فضل۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ
حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

[۲۳] یہی وہ چیز ہے جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ان بندوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ (اے نبی! ان سے) کہو میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت ہے (جس کا تقاضا پورا کر رہا ہوں ۴۸؎ ) جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کیلئے اسکی نیکی میں خوبی کا اضافہ کریں گے۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا قدرداں ہے ۴۹؎ ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى
قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

[۲۴] کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو (اے نبی) تمہارے دل پر مہر لگا دے ۵۰؎ ۔ وہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے حق ثابت کر دکھاتا ہے ۵۱؎ ۔ یقیناً وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ ۵۲؎

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ
وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

[۲۵] وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگذر فرماتا ہے ۵۳؎ ۔ اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

[۲۶] وہ ان لوگوں کی دُعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ۵۴؎ ۔ اور اپنے فضل سے انہیں مزید عطا کرتا ہے۔ رہے کافر تو ان کیلئے سخت عذاب ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ
بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

[۲۷] اگر اللہ اپنے بندوں کو فراخی کے ساتھ رزق دے دیتا تو وہ زمین میں زیادتی پر اتر آتے مگر وہ ایک خاص مقدار میں جس طرح چاہتا ہے اتارتا ہے ۵۵؎ ۔ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ
وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

[۲۸] وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد بارش بھیجتا ہے ۵۶؎ ، اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی کارساز ہے لائق حمد۔ ۵۷؎

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا
مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ع

[۲۹] اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ۵۸؎ ، اور جاندار جو اس نے ان میں پھیلائے ہیں ۵۹؎ ۔ اور وہ ان کو جب چاہے اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔

۴۷ ؎ ''روضات'' یعنی باغیچے، مراد جنت کے پُر بہار مقامات ہیں۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ روم نوٹ ۲۱؎ ۔

۴۸؎ یہ نبی ﷺ کا قریش سے خطاب ہے جن سے آپ کی قریب ترین رشتہ داری تھی۔ مدعا یہ ہے کہ میں اللہ کا جو پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں اس پر تم سے کسی بھی صلہ کا طالب نہیں ہوں بلکہ یہ تمہاری رشتہ داری کی محبت ہے جس کے تقاضے کو پورا کر رہا ہوں تاکہ تم اس پیغام کو جس کو لیکر میں آیا ہوں قبول کرو۔ اس طرح تم جہنم کے عذاب سے بچو گے اور تمہیں ابدی فلاح حاصل ہوگی۔

آیت میں اِلا استثناء منقطع ہے جو لیکن اور بلکہ کے معنی دے رہا ہے اور یہ ایسا ہی استثناء ہے جیسا کہ سورۂ فرقان کی آیت ۵۷ میں ہے:

قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلاً۔

''کہو میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں طلب کر رہا ہوں مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے۔''

ظاہر ہے یہاں کسی کا اپنے رب کی راہ اختیار کرنا نبی ﷺ کیلئے تبلیغ کا معاوضہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس سلسلے میں قریش کی قرابت داری کی محبت کا حوالہ، معاوضہ اور صلہ کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کے تقاضے کو پورا کرنے کے معنی میں ہے۔ ایک رسول تبلیغ کا کام ایک فریضہ کی حیثیت سے انجام دیتا ہے اور فریضہ بھی ایسا جو اس کا فرضِ منصبی ہوتا ہے لیکن جس قوم سے اس کا نسبی تعلق ہوتا ہے اس کی فطری محبت اسے اس صورت میں اور زیادہ بے چین کر دیتی ہے جب وہ کفر کی راہ اختیار کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دیتی ہے۔

بعض مفسرین نے آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ میں تم سے اس کام پر کوئی صلہ طلب نہیں کرتا مگر چاہتا ہوں کہ تم کم از کم رشتہ داری کی محبت کا لحاظ کرو۔ مگر یہ بات ایک نبی کے مقام سے فروتر ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے رشتہ داری کی محبت کا مطالبہ کرے۔ قرآن میں ہر رسول کی زبان سے یہی بات ادا ہوئی ہے کہ:۔

مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (شعراء۔۱۰۹) ''میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے۔''

اور نبی ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ فرمائیں:۔

قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللہِ۔ (سبا۔۴۷)

''کہو اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے۔''

اور مسلمانوں کے ایک فرقہ نے جو حضرت علیؓ کی امامت اور ان کے بارے میں اپنے غلو آمیز عقیدہ کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتا ہے اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی سے نبی ﷺ کے قرابت دار حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی محبت مراد لی۔ حالانکہ جس وقت یہ سورۂ نازل ہوئی تھی اس وقت نہ حضرت حسنؓ کا وجود تھا اور نہ حضرت حسینؓ کا۔ اور آپ کے اکثر قرابت دار مشرک تھے اس لئے اس فقرہ کے یہ معنی لینا کسی طرح درست نہیں کہ میں اس تبلیغ کے کام پر یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کی بے لوث خدمت کے سلسلہ میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اور جن آیتوں کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے ان کے پیش نظر ایسے معنی لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۴۹؎ یہ اللہ کی طرف سے قدر افزائی ہے کہ بندہ جب اس کی طرف بڑھتا ہے اور نیکی کرتا ہے تو وہ اس میں مزید حسن و خوبی پیدا فرماتا ہے۔ اگر ایک شخص کے بنائے ہوئے محل کو چاندنی رات چار چاند لگا دیتی ہے تو اللہ جب کسی شخص کی نیکی کو آراستہ کرے گا تو اس کے نکھار اور اس کے حسن کا کون اندازہ کر سکتا ہے!

۵۰۔ یعنی جو وحی تمہارے قلب پر نازل ہوتی ہے اس کا سلسلہ بند کر دے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسی سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوئی ہے:۔
وَ لَوْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ۔ (بنی اسرائیل۔۸۶) ''اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے تم پر کی ہے اس کو چھین لیں۔''
اور مقصود اس سے یہ واضح کرنا ہے کہ یہ کلام وحی الٰہی ہے جو اللہ کے نازل کرنے سے نازل ہوا ہے اور وہ چاہے تو اس وحی کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ اس میں پیغمبر کا اپنا کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کہ قرآن کو پیغمبر نے گڑھا ہے۔

۵۱۔ یعنی آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس کلام کے ذریعہ حق ثابت ہو رہا ہے یا نہیں۔ اگر حق ثابت ہو رہا ہے اور یقیناً ثابت ہو رہا ہے تو یہ اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

۵۲۔ اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جو دل میں محسوس کرتے ہیں کہ یہ کلام حق ہے لیکن تعصب اور ناجائز مصلحتوں کی بنا پر اس کے حق ہونے کا اعتراف نہیں کرتے اور ان کا یہ رویہ ان کے ضمیر کے خلاف ہوتا ہے۔ مگر اللہ دل کے راز جانتا ہے اس لئے ایک دن آئے گا جب وہ انہیں بتائے گا کہ انہوں نے اپنے ضمیر کی آواز کو کس طرح دبا کر رکھا تھا۔

۵۳۔ یہ توبہ کی ترغیب ہے کہ گنہگاروں کیلئے اب بھی موقع ہے کہ وہ سنبھل جائیں اور اللہ کے حضور توبہ کریں۔ جو شخص بھی خلوصِ دل سے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دھتکارتا نہیں ہے بلکہ اس کی توبہ کو قبولیت بخشتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

۵۴۔ یعنی ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو تو اللہ تمہاری دعائیں ضرور سُنے گا کہ نیک لوگوں کی دعائیں اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل کر لیتی ہیں۔
واضح رہے کہ نیک بندوں کی دعائیں دنیوی نعمتوں کے حصول سے زیادہ جہنم کے عذاب سے بچنے اور اخروی کامیابی کے حصول کیلئے ہوتی ہے اور اللہ ان کی ان دعاؤں کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

۵۵۔ اس آیت میں ایک بہت بڑی معاشی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ دنیا میں کسی کو کشادہ رزق ملتا ہے اور کسی کو نپا تلا۔ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ہر شخص کو وافر پیمانہ پر رزق ملتا، یہاں تک کہ وہ اپنی معاشی ضرورت کیلئے دوسرے کا دستِ نگر نہ رہتا۔ ایسا کرنا یقیناً اللہ کیلئے کچھ بھی مشکل نہ تھا اور اس سے اللہ کے خزانوں میں ہرگز کوئی کمی واقع نہ ہوتی، لیکن بندوں کی مصلحت متقاضی تھی کہ ایک خاص مقدار ہی میں انہیں رزق دیا جائے کیوں کہ رزق کو وافر مقدار میں پا کر انسان غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا اور یہ غرور اور گھمنڈ اسے سرکش بنا دیتا اور اس بات پر آمادہ کرتا کہ دوسرے لوگوں پر برتری حاصل کرے، جس کیلئے وہ ظلم و زیادتی پر اتر آتا۔ اس طرح انسانی سوسائٹی میں بڑے پیمانہ پر خون خرابہ ہوتا اور اودھم مچ جاتا۔ جن لوگوں پر رزق کے دروازے کشادہ ہوگئے ہیں ان کی نفسیات اور ان کا طرزِ عمل ایسا ہی ہے اور اس سے یقیناً انسانی سوسائٹی میں ظلم و زیادتی کی کثرت ہوگئی ہے تاہم یہ صورت ایک خاص حد تک ہی پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر رزق کے دروازے سب کیلئے کشادہ ہو جاتے تو ظلم و زیادتی کا بالکل غلبہ ہو جاتا اور انسانی سوسائٹی میں بہت بڑے پیمانے پر فساد پھوٹ پڑتا۔
موجودہ دور میں جو معاشی ترقی ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں خوشحالی جو عام ہوتی جا رہی ہے اس کی نسبت سے بدامنی، انارکی دہشت گردی اور خوں ریزی میں بھی اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ جو دن نکلتا ہے شر و فساد کی وحشت ناک خبریں سناتا ہے اور جنگ میں انسانوں کو مارنے کیلئے ایسے مہلک ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں کہ انسانیت کانپ اٹھے۔ انسان کش کیمیائی دواؤں اور اسلحہ سازی پر بے شمار دولت صرف کی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اور زیادہ خوشحال بنا دے تو وہ فساد اور ظلم و زیادتی کا کیسا طوفان زمین پر برپا کریں گے۔

۵۶۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ روم نوٹ ۸۶۔

۵۷۔ یعنی یہ ساری کارفرمائی اسی کی ہے اور وہی ہے تعریف اور شکر کا مستحق۔اس کے سوا نہ کسی کا عالم اسباب پر تصرف ہے اور نہ کوئی ہستی بندوں پر نوازشیں کرنے والی ہے کہ حمد کی مستحق قرار پائے۔

۵۸۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۱۹۶۔

۵۹۔ زمین پر تو جاندار مخلوق پھیلی ہوئی ہے ہی فضا میں بھی پرندے اڑتے پھرتے ہیں۔یہ جاندار تو اپنی جان کے بھی مالک نہیں۔پھر کون ہے جو ان کا مالک اور رب ہے؟اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہی جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کو زمین اور فضا میں پھیلا رہا ہے۔

آیت کے ان الفاظ میں کہ وَبَثَّ فِيهِمَا ''ان دونوں میں (یعنی زمین اور آسمان میں) جاندار پھیلا دیئے'' اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ آسمانی دنیا میں بھی جاندار مخلوق موجود ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ ﴿۳۰﴾

۳۰ جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تمہارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے ۶۰ ۔اور بہت سی برائیوں سے وہ درگزر بھی فرماتا ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

۳۱ تم زمین میں اس کے قابو سے نہیں نکل سکتے ،اور نہ اللہ کے مقابل میں تمہارا کوئی کارساز و مددگار ہے۔ ۶۱

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ؕ ﴿۳۲﴾

۳۲ اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے جہاز ہیں گویا پہاڑ۔ ۶۲

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۙ ﴿۳۳﴾

۳۳ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کردے تو وہ اس کی سطح پر ٹھہرے ہی رہ جائیں ۶۳ ۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کیلئے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو، ۶۴

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۫ ﴿۳۴﴾

۳۴ یا (وہ چاہے ) تو ان کے کرتوتوں کی پاداش میں ان جہازوں کو تباہ کردے۔اور ( چاہے تو ) بہت سی باتوں سے درگذر فرمائے۔

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

۳۵ اور ( اگر تباہ کردے تو اس لئے تا کہ ) وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں جان لیں، کہ ان کیلئے کوئی مفر ( بھاگنے کی جگہ ) نہیں ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ﴿۳۶﴾

۳۶ تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کا سامان ہے،اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ کہیں بہتر اور پائیدار ہے ۶۵ ،ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ۶۶

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۚ ﴿۳۷﴾

۳۷ جو بڑے گناہوں ۶۷ ، اور بے حیائی کے کاموں ۶۸ ، سے بچتے ہیں اور جب غصہ آجاتا ہے تو معاف کرتے ہیں۔ ۶۹

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ ﴿۳۸﴾

۳۸ جو اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں ۷۰ ،اور نماز قائم کرتے ہیں ۷۱ ،اور اپنے معاملات آپس کے مشورہ سے چلاتے ہیں ۷۲ ، اور جو ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۷۳

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ اور جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ اپنی مدافعت کرتے ہیں۔ ۷۴

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰ اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے ۷۵ ، پھر جو کوئی درگزر کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے ۷۶ ۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ۷۷

۶۰۔ آیت میں خطاب کافروں اور نافرمانوں سے ہے، ان سے کہا جا رہا ہے کہ یہ تمہارے کرتوت ہی ہیں جو تمہارے لئے ایک نہ ایک مصیبت لاتے رہتے ہیں۔ ایک شخص جو برائیاں کماتا ہے اسکے نتیجہ میں اس پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور جو سوسائٹی برائیاں سمیٹ لیتی ہے وہ اجتماعی طور پر مصیبت کا شکار ہو جاتی ہے۔ آیت کا مدعا اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے ورنہ مصیبتوں کا نزول نیک لوگوں پر بھی ہوتا ہے جس سے انکی آزمائش مقصود ہوتی ہے مگر یہاں یہ پہلو زیرِ بحث نہیں ہے۔

۶۱۔ یعنی اللہ جب چاہے تمہاری آزادی سلب کر سکتا ہے اور تم اس کے عذاب کی گرفت میں آسکتے ہو۔ نہ تمہارا اپنا یہ بل بوتا ہے کہ تم اس کی گرفت میں آنے سے اپنے کو بچا سکو اور نہ تمہارا کوئی کارساز یا مددگار ہو سکتا ہے جو تمہیں اس سے بچا سکے۔

۶۲۔ یعنی بڑے بڑے جہاز جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں کھڑے رہتے ہیں۔

۶۳۔ اس زمانہ میں صرف بادبانی جہاز تھے جو ہوا کے بغیر چل نہیں سکتے تھے اور ہوائیں اللہ ہی چلاتا ہے۔ اگر وہ ہواؤں کو روک دے تو ان جہازوں کا چلنا بند ہو جائے۔ اور موجودہ زمانہ میں ہوائی جہاز ایجاد ہوئے ہیں جن کا چلنا ہوا ہی پر منحصر ہے۔ یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ عالمِ اسباب پر متصرف (اختیار رکھنے والی اور کنٹرول کرنے والی) صرف اللہ کی ذات ہے۔ پھر کسی اور کو متصرف مان کر اس کو اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنے میں کیا معقولیت ہے؟

۶۴۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ لقمان نوٹ ۵۳۔

۶۵۔ دنیا میں جو مال و متاع بھی انسان کو ملتا ہے وہ یہاں کی چندروزہ زندگی ہی کیلئے ہوتا ہے۔ جب موت آتی ہے تو آدمی سب کچھ یہاں چھوڑ کر رخصت ہو جاتا ہے اور کوئی چیز بھی اس کے ساتھ منتقل نہیں ہوتی کہ موت کے بعد والی زندگی میں اس کے کام آئے۔ بخلاف اس کے آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مقابل میں بدر جہا بہتر بھی ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی۔ اب یہ انسان کا اپنا ظرف ہے کہ وہ اپنے لئے کم درجہ کے اور عارضی سامان کا انتخاب کرتا ہے یا اعلیٰ درجہ کے اور مستقل رہنے والے سروسامان کا۔ اگر وہ پہلی چیز کا انتخاب کرتا ہے تو دنیا اس کا مقصود قرار پائے گی اور وہ اپنی فکر اور اپنی عملی زندگی میں آخرت کو نظر انداز کرے گا لیکن اگر وہ دوسری چیز کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی فکر پر آخرت کا غلبہ ہوگا اور وہ آخرت ہی کو مقصود بنا کر زندگی گزارے گا۔

۶۶۔ یہاں ان لوگوں کے اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں جو آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ ان کی اولین صفت یہ ہے کہ وہ ان باتوں پر ایمان لائے ہیں جن پر ایمان لانے کی دعوت قرآن دیتا ہے۔ پھر اس ایمان ہی کا اثر ہے کہ ان کے اندر ہی توکل کی صفت پیدا ہوگئی لہٰذا ان کا بھروسہ عالمِ اسباب پر نہیں بلکہ مسبب اسباب پر ہوتا ہے۔

توکل یہ ہے کہ آدمی بہتر سے بہتر تدبیر کرے لیکن سب کچھ تدبیر ہی کو نہ سمجھے بلکہ اس یقین کے ساتھ معاملہ اللہ کے حوالہ کرے کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ مشیتِ الٰہی اس کیلئے سازگاری پیدا کرتی ہے۔

واضح رہے کہ اسلام اور کفر کی کشمکش میں توکل اہلِ ایمان کیلئے نہایت ضروری ہے اور اسی مناسبت سے یہاں ان کا یہ وصف نمایاں کیا گیا ہے۔

۶۷۔ گناہ کبیرہ کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ نساء نوٹ ۷۹۔

۶۸۔ فواحش (بے حیائی کے کاموں) کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۲۷۷۔

۶۹۔ کسی شخص کی طرف سے اذیت پہنچنے پر غصہ آنا بالکل فطری بات ہے مگر درگزر سے کام لینا اور معاف کرنا ایک مؤمن کی بہترین صفت ہے۔ یہ

صفت جذبات پر کنٹرول، بندگانِ خدا کے ساتھ حسن سلوک اور عدل وانصاف پر آمادہ کرتی ہے۔ غصہ کو پی جانا یقیناً بڑی خوبی ہے لیکن اس سے بڑی خوبی یہ ہے کہ غصہ آنے پر قصور وار کو معاف کر دیا جائے۔ مگر جو لوگ خدا سے بے خوف ہوتے ہیں وہ غصہ میں بے قابو ہو جاتے ہیں اور ظلم وزیادتی پر اُتر آتے ہیں۔

۷۰۔ یعنی اپنے رب کا ہر حکم دل کی آمادگی کے ساتھ سنتے ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے نام نہاد مسلمانوں کا حال یہ ہوتا کہ وہ اپنے رب کی دعوت پر کان دھرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور نہ ان کو اس کے احکام سننے سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔

۷۱۔ یعنی نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اس فریضہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس میں دل کا خشوع بھی شامل ہوتا ہے اور وقار اور سکون بھی نیز ان باتوں کا لحاظ بھی جن کا لحاظ کرنا شریعت نے ضروری قرار دیا ہے۔

اقامتِ صلوٰۃ ایک جامع اصطلاح ہے جس میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور اس کیلئے صف بندی کرنا بھی شامل ہے حدیث میں آتا ہے:

سَوُّوا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

''صفوں کو درست رکھو کہ صفوں کو درست رکھنا اقامتِ صلوٰۃ میں سے ہے''۔

نیز ارشادِ نبوی ہے:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي اُصَلِّيْ۔ (بلوغ المرام بروایۃ البخاری) ''اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''

اس لئے کتاب وسنت میں نماز کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس کے مطابق نماز ادا کرنے ہی سے اقامتِ صلوٰۃ کا منشاء پورا ہوسکتا ہے۔

۷۲۔ امر سے مراد اجتماعی معاملات ہیں جو ایک نظم کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ان لوگوں کو جن کے ہاتھ میں اجتماعی معاملات کی باگ ڈور ہوتی ہے اُولی الامر (اصحاب امر) کہا جاتا ہے۔ یہاں اہلِ ایمان کی ایک اہم صفت کے طور پر یہ بات بیان ہوئی ہے کہ ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ سورۂ مکی ہے اور مکی دور میں مسلمان اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنا سیاسی نظام قائم کریں، اس کے باوجود شوریٰ کے ذریعہ معاملات کو طے کرنے کی ہدایت کی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ کافروں کے اقتدار کے باوجود مسلمان اپنے جن اجتماعی امور ومسائل کے سلسلہ میں کوئی فیصلہ اور کوئی اقدام کرسکتے ہیں ان کیلئے وہ شورائی طریقہ اختیار کریں۔ یہ بہت بڑی رہنمائی ہے ان مسلمانوں کیلئے بھی جو کسی غیر اسلامی ملک میں رہتے ہیں۔ ان کو اپنے دینی مسائل کے سلسلہ میں ملی سطح پر شورائی نظم کا اہتمام کرنا چاہئے تاکہ ملت کی صحیح نمائندگی ہو اور اس کے فیصلہ کو پوری ملت عملی جامہ پہنا سکے۔

اس آیت میں شورائیت کو جس اہمیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے وہ اسلام کے سیاسی نظام کی بہت بڑی بنیاد ہے یعنی مسلمانوں میں اقتدار وہی لوگ سنبھالیں گے جن کو وہ اس کام کیلئے منتخب کریں گے۔ من مانی کرنے والے افراد کا اس پر مسلط ہونا بڑی زیادتی کی بات ہے۔ یہ شورائیت آمریت اور ''ملوکیت'' (جس میں بادشاہ ہی کو سارے اختیارات حاصل ہوتے ہیں) جڑ کاٹ دیتی ہے۔ پھر موجودہ دور کی جمہوریت اور اسلام کی شورائیت میں جوہری فرق یہ ہے کہ جمہوریت شتر بے مہار کی طرح بالکل آزاد ہوتی ہے۔ اگر وہ پابند ہوتی ہے تو اپنے ہی بنائے ہوئے دستور کی۔ اس لئے اس کے فیصلے خلافِ حق، برائیوں کو فروغ دینے والے اور ظلم وزیادتی پر مبنی ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے اسلامی شورائیت اللہ کے احکام اور اس کے رسول کی ہدایت کی پابند ہوتی ہے وہ اس بات کی مجاز نہیں ہوتی کہ شریعت کے خلاف کوئی فیصلہ کرے یا شرعی حدود سے تجاوز کر جائے۔ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل پر غور کرتی ہے اور ان ہی کی روشنی میں فیصلے کرتی ہے۔

شوریٰ کا فیصلہ اسی کو کہا جاسکتا ہے جس پر اتفاق رائے ہوا ہو یا جس کی تائید میں شوریٰ کی اکثریت ہو تنہا امیر یا خلیفہ کی رائے کو شوریٰ کا فیصلہ نہیں قرار دیا جاسکتا، اور نہ شوریٰ کی اقلیت کی رائے کو شوریٰ کے فیصلے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کیونکہ کسی بھی معاملہ میں حکم غالب چیز ہی کا ہوتا ہے۔ اور اگر امیر شوریٰ کی اکثریت (جمہور) کے فیصلے کا پابند نہ ہو تو شوریٰ بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے۔ شوریٰ یا مشورہ کے لئے وہی لوگ موزوں ہو سکتے ہیں جو متقی، اہل رائے اور قابل اعتماد ہوں فاسق وفاجر اور سطحیت پسند لوگ معاملات کو سلجھانے کے بجائے الٹا الجھا دیتے ہیں۔

آیت میں نماز سے متصل شوریٰ کا ذکر ہوا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شورائیت نماز کا فیضان ہے اور وہی شوریٰ خیر وبرکت کا باعث ہوسکتی ہے جو نماز کو قائم کرنے والی ہو۔ بے نمازی لوگ شوریٰ کیلئے ہرگز موزوں نہیں ہیں۔ اس موقع پر سورۂ آلِ عمران کی آیت وَشَاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ (آیت ۱۵۹) کے تشریحی نوٹ ۹۱ کو پیش نظر رکھا جائے۔

۷۳ مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جس میں زکوٰۃ، صدقہ، اور دینی مقاصد کے لئے خرچ کرنا شامل ہے۔ (دیکھئے سورۂ بقرہ آیت ۲۶۲، سورۂ انفال آیت ۶۰، سورۂ توبہ آیت ۳۳)۔

۷۴ انتصار کے معنی عربی میں مدافعت کرنے کے بھی اور بدلہ لینے کے بھی ہے۔ اسلام کی تعلیم ہرگز یہ نہیں ہے کہ جو ظلم بھی ہو سہتے رہو اور جوابی کاروائی کرنے کا تم کو کوئی حق نہیں ہے۔ یہ دین ایک نظامِ عمل ہے نہ کہ کوئی خیالی باتوں اور ناقابل عمل نظریات کا مجموعہ، اس لئے اس کو نہ اہنسا (عدم تشدد کے فلسفہ) سے کوئی مناسبت ہے اور نہ عیسائیت کی اس تعلیم سے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال اس کے آگے کرو۔ وہ تشدد کا جواب تشدد سے دینے اور دشمن کے دانت کھٹے کرنے کی اجازت دیتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے جیسا کہ بعد کی آیت سے واضح ہے۔ دراصل اسلام نے ہر طرح کے حالات کا لحاظ کیا ہے اور مختلف مزاجوں کی رعایت کی ہے۔ کبھی حالات اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ تشدد کا جواب تشدد سے دیا جائے تا کہ ظالم کا زور ٹوٹے۔ اور بعض طبیعتیں بھی ہروقت درگزر سے کام لینے کی متحمل نہیں ہوسکتیں اس لئے اسلام نے جو تعلیم دی ہے وہ اعتدال پر مبنی ہے۔ اس نے بدلہ لینے کو مذموم نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ اس کی اجازت دیدی، ساتھ ہی صبر اور درگذر سے کام لینے کی ترغیب دی اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ قول جو بائبل میں ان کی طرف منسوب ہے کہ:

> ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔'' (متی ۵: ۳۸ تا ۴۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منشا تورات کے اس حکم کو جو بدلہ سے متعلق ہے منسوخ کرنا نہیں تھا بلکہ اس وقت کے حالات میں انہوں نے اپنے پیروؤں کو جو گنتی کے چند تھے اور اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ کوئی جوابی کاروائی کرسکیں صبر کی تلقین کی اور استعارہ کے انداز میں فرمایا کہ کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دینا۔ مطلب یہ تھا کہ رومی حکومت اور مفسد عناصر تم پر ظلم کریں گے اور تمہارے پاس اپنی مدافعت کا کوئی سامان نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں تمہیں اس بات کیلئے تیار رہنا چاہئے کہ ایک طمانچہ کے بعد دوسرا طمانچہ بھی کھانا پڑیگا۔ یہ ایک اخلاقی ہدایت تھی نہ کہ شرعی قانون کی بات، اور اس اخلاقی ہدایت کا بھی وہ مطلب نہیں تھا جو عیسائیوں نے سمجھا بلکہ ایک استعارہ ہے جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا اور لوقا کی انجیل میں بھی یہ ہدایت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ تورات کے اس حکم کا کہ آنکھ کے بدلہ آنکھ کا کوئی حوالہ نہیں ہے بقیہ صفحہ ۳۸۷ پر

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ
سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾

۴۱ اور جنہوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا ان پر کوئی الزام نہیں۔۷۸۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾

۴۲ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ۷۹۔ ایسے لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾

۴۳ البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ بڑی عزیمت کا کام ہے۔۸۰۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤٤﴾

۴۴ جس کو اللہ گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں ۸۱۔ تم ظالموں کو دیکھو گے کہ جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے۔ ہے کوئی واپسی کی راہ۔۸۲۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ
طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿٤٥﴾

۴۵ اور تم دیکھو گے کہ وہ جہنم کے سامنے اس طرح پیش کئے جائیں گے کہ ذلت سے جھکے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے ۸۳۔ اس وقت اہلِ ایمان کہیں گے کہ اصل خسارہ میں رہنے والے وہی ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارہ میں ڈالا۔ ۸۴۔ خبردار یہ ظالم قائم رہنے والے عذاب میں ہوں گے۔۸۵۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿٤٦﴾

۴۶ اور ان کے کوئی دوست نہ ہوں گے جو اللہ کے مقابل ان کی مدد کر سکیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کیلئے کوئی راہ نہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ
مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾

۴۷ اپنے رب کی دعوت قبول کر لو قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ایک ایسا دن آئے جس کو ٹالا نہ جا سکے گا ۸۶۔ اس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور نہ تم (عذاب کو) دفع کر سکو گے۔۸۷۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ
اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾

۴۸ لیکن اگر یہ منہ پھیر لیتے ہیں تو (اے نبی!) ہم نے تمہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے ۸۸۔ تم پر صرف پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ اور انسان کو جب ہم اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو اس پر اترانے لگتا ہے اور اگر اس کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت اس پر آتی ہے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے ۸۹۔

۷۸۔ یعنی مظلوم کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ظالم سے بدلہ لے۔لہٰذا اگر کوئی مظلوم ظالم سے برابری کا بدلہ لیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی مذمت کی جائے۔اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

۷۹۔ یعنی قابلِ مذمت وہ لوگ ہیں جو بندگانِ خدا پر ظلم کرتے ہیں اور اللہ کے سرکش بن کر رہتے ہیں اور سوسائٹی میں فساد پھیلاتے ہیں۔مواخذہ ایسے ہی لوگوں سے ہوگا۔

۸۰۔ یعنی کوئی شخص زیادتی کر ہی بیٹھا تو اس پر صبر کرنا اور درگزر سے کام لینا اور اپنے دشمنوں کو معاف کرنا بہت بڑی اخلاقی فضیلت ہے۔یہ وہ صفت ہے جو انسان کے کردار کو مضبوط بناتی اور اس کے حوصلوں کو بلند کرتی ہے۔یہ عزم و ہمت کا کام ہے جو انسان کو عظمت عطا کرتا ہے۔

۸۱۔ یعنی کوئی نہیں جو اس کو ہدایت دے سکتا ہے اور اس کی کوششوں کو صحیح رُخ پر لگا سکتا ہے۔اس کا کوئی دوست ایسا نہیں ہو سکتا جو اس کی تدبیروں کو کارگر اور اس کے کاموں کو نتیجہ خیز بنائے۔

۸۲۔ یعنی دنیا میں واپسی کی کوئی صورت ہے کہ وہاں جا کر ایمان لائیں اور نیک بنیں۔

۸۳۔ یعنی جس طرح ایک مجرم دی جانے والی سزا سے نظریں بچانے کی کوشش کرتا ہے وہی حال ان لوگوں کا ہوگا۔وہ جہنم کو دیکھنے سے نظریں چرائیں گے۔یہ ان مجرموں کی ذِلت اور بے بسی کی تصویر ہے۔

۸۴۔ یعنی اس روز اہلِ ایمان برملا کہیں گے کہ اصل خسارہ دنیا کا خسارہ نہ تھا بلکہ آخرت کا خسارہ ہے۔لہٰذا جن لوگوں نے آخرت کو نظر انداز کر رکھا تھا وہ آج ابدی خسارہ سے دوچار ہیں نیز ان کے اہل وعیال بھی جن کی انہوں نے غلط رہنمائی کی تھی اور وہ ان کے پیچھے چل کر گمراہ ہوئے تھے۔

۸۵۔ یعنی آخرت کا مستقل عذاب۔

۸۶۔ اندازِ کلام انسانی نفسیات کو بڑا ہی اپیل کرنے والا ہے۔قرآن کی دعوت ہر شخص کے لئے اپنے رب کی دعوت ہے لہٰذا تم اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو اور اس کی دعوت کو قبول کر کے اپنی اخروی نجات کا سامان کرو۔قیامت کا دن تو لازماً آنا ہے کوئی نہیں جو اس کو ٹال سکے۔

۸۷۔ یعنی تمہارے بس میں نہیں ہوگا کہ عذاب کو دفع کر سکو یا جو فرشتے تم کو گرفتار کرنا چاہیں گے ان کو گرفتاری سے روک سکو۔

۸۸۔ پیغمبر سے خطاب ہے کہ تم ان لوگوں کے عمل کے ذمہ دار نہیں ہو کہ ان کو زبردستی راہِ ہدایت پر چلاؤ۔

۸۹۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ روم نوٹ ۶۴،۶۵۔

بقیہ صفحہ ۳۸۵ سے آگے

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے احکام کو منسوخ کرنے کیلئے نہیں آئے تھے لہٰذا ان کی طرف کسی ایسے قول کو منسوب کرنا جو تورات کے شرعی حکم کو منسوخ کرنے کے ہم معنی ہو صحیح نہیں ہو سکتا۔

۷۵۔ یعنی جتنی تکلیف کسی نے پہنچائی ہے اس کو اتنی ہی تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے اور جتنا نقصان کسی نے پہنچایا ہے اس سے اسی کے بقدر تلافی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔اپنی مدافعت کرنے یا بدلہ لینے میں عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑا جا سکتا۔کسی نے اگر ایک شخص کا گلاس توڑ دیا ہے تو اس کے جواب میں اس شخص کا اس کے گھر کو آگ لگا دینا سراسر ظلم ہوگا۔

۷۶۔ ترغیب درگذر کرنے،صلح وصفائی کی بات کرنے اور اصلاحی کام کرنے ہی کی ہے اور اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے اجر کا وعدہ کر رکھا ہے۔

۷۷۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اگر تم نے بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کیا تو یاد رکھو یہ ظلم ہوگا اور اللہ ظالموں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾

۴۹ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

۵۰ یا ان کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔ ۹۰۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

۵۱ کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کی صورت میں یا پردہ کے پیچھے سے یا یہ کہ کسی فرشتہ کو بھیج دے جو اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے ۹۱۔ وہ بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے۔ ۹۲۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾

۵۲ اور اسی طرح (اے نبی!) ہم نے تمہاری طرف ایک روح اپنے فرمان سے وحی کی ہے ۹۳۔ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ۹۴۔ مگر ہم نے اس کو ایک نور بنا دیا ۹۵۔ جس کے ذریعے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ اور یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو ۹۶۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

۵۳ اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کا مالک ہے۔ خبردار ہو جاؤ! سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ۹۷۔

۹۰ ۔ آسمانوں اور زمین کا فرمانروا اللہ ہی ہے اور اس کی فرمانروائی کی شان یہ ہے کہ جو چاہے پیدا کرے اور جس کو چاہے لڑکیاں دے اور جس کو چاہے لڑکے دے یا لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا کرے نیز جس کو چاہے بے اولاد رکھے ۔ وہ پورے علم اور کمالِ قدرت کے ساتھ فرمانروائی کر رہا ہے ۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو اس بات کا اختیار رکھتا ہو کہ کسی کو اولاد بخشے ۔

اس سے جہاں مشرکوں کے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ فلاں دیوی اور دیوتا اولاد بخشتے ہیں، وہاں جاہل مسلمانوں کے بھی اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ فلاں پیر اور فلاں ولی اولاد عطا کرتے ۔ اس بدعقیدگی کی بنا پر عورتیں درگاہوں کے چکر کاٹتی ہیں اور اولاد کے لئے پیروں کے نام سے منتیں مانتی ہیں ۔ یہ عقیدہ بالکل باطل اور یہ عمل صریح مشرکانہ ہے مگر جاہل مسلمانوں نے اسلام کے ساتھ اس کا جوڑ لگا دیا ہے ۔

۹۱ ۔ یعنی کوئی انسان بھی بشری کمزوری کی بنا پر اس بات کی تاب نہیں لا سکتا کہ اللہ سے روبرو کلام کرے ۔ اس کا جلال اور اس کی عظمت ایسی ہے کہ انسان اس کو دیکھنے کا متحمل نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی درخواست پر جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تھی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا تھا اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے تھے ۔ (دیکھئے سورۂ اعراف آیت ۱۴۳) اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں سے کلام کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا اس کی تین صورتیں رہی ہیں :

ایک یہ کہ اللہ اپنے رسول کے قلب پر براہِ راست اپنا پیغام وحی کرے ۔ وحی کے معنی جیسا کہ نوٹ ۲ ۔ میں واضح کیا جا چکا، اشارہ کرنے یا مخفی طریقہ سے بات کرنے کے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول یا نبی سے مخفی طریقہ سے بات کرتا ہے اور اسے اپنے پیغام اور احکام وہدایت سے آگاہ کرتا ہے جسے دوسرا کوئی شخص سنے نہیں پاتا ۔ یہ پیغام رسانی کے اس غیبی ذریعہ کا نام قرآن کی اصطلاح میں 'وحی' ہے ۔

دوسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو شرفِ ہم کلامی بخشے مگر اس کو وہ دکھائی نہ دے ۔ یعنی رسول، اللہ کی آواز اور اس کا کلام سن لے اس سے ہمکلام بھی ہو لیکن اللہ کی ذات اس کے سامنے جلوہ گر نہ ہو ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ صورت اختیار کی گئی تھی چنانچہ ان کو منصبِ رسالت عطا کرتے وقت بھی ہم کلامی کا شرف بخشا گیا سورۂ طٰہٰ آیت ۱۱، ۱۲) اور کوہِ طور پر شریعت عطا کرتے وقت بھی ۔

تیسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتہ کو قاصد بنا کر بھیج دے جو اس کے پیغام کو رسول تک مخفی ذریعہ سے پہنچائے ۔

ان میں سے پہلی اور تیسری صورت میں نبی ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا رہا ہے ۔ حدیث میں ان دونوں صورتوں کا ذکر اس طرح ہوا ہے :

''ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے پوچھا اے اللہ کے رسول ! آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول ﷺ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ صورت مجھ پر بہت گراں ہوتی ہے ۔ پھر جب میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں تو یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے ۔ اور کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں میرے سامنے آجاتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اسے یاد کر لیتا ہوں ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے دن وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے ادھر وحی ختم ہوتی اور ادھر آپ کا یہ حال ہوتا کہ پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا ۔'' (بخاری کتاب الوحی)

واضح رہے کہ پیغمبروں پر اللہ کے کلام کے نازل ہونے کا ذکر تورات، زبور اور انجیل تینوں میں بہ کثرت موجود ہے مثال کے طور پر تورات میں ہے :

''ان باتوں کے بعد خداوند کا کلام رویا میں ابرام (ابراہیم) پر نازل ہوا ۔'' (پیدائش ۱۵:۱)

''تو خدا نے اسے جھاڑی میں سے پکارا اور کہا اے موسیٰ ! اس نے کہا میں حاضر ہوں ۔'' (خروج ۳:۴)

''تب خداوند نے موسیٰ سے کہا فرعون کے پاس جا کر اس سے کہہ کہ خداوند عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے کہ وہ میری

عبادت کریں۔'' (خروج ۹:۱)

زبور میں ہے: ''تیرا کلام میرے قدموں کیلئے چراغ اور میری راہ کیلئے روشنی ہے۔'' (زبور ۱۱۹: ۱۰۵)

اورانجیل میں ہے: ''اور پھر یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے لوٹا۔'' (لوقا ۴: ۱)

''جب بھیڑ اس پر گری پڑتی تھی اور خدا کا کلام سنتی تھی۔'' (لوقا ۵: ۱)

اس طرح کلام الٰہی کا اور ''وحی'' کا جو تصور آسمانی کتابوں کے ذریعہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اس کو قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا تا کہ اس ذریعۂ علم پر لوگ یقین کریں۔ یہ بھی واضح رہے کہ ''وحی'' اور الہام میں بہت بڑا فرق ہے ''وحی'' بہت واضح ہوتی ہے اور اس کے اللہ کی طرف سے ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور قرآن تو لفظاً لفظاً ''وحی'' اور اللہ کا کلام ہے الفاظ اور معانی دونوں کے اعتبار سے۔ اور جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے اس میں الہام کا دھندلا سا تصور موجود ہے جس کو وہ شُروتی (श्रुति) (Revelation) سے تعبیر کرتے ہیں۔

۹۲۔ اَللّٰہ عَلِیٌ (بلند مرتبہ) ہے اس لئے انسان کا یہ مقام نہیں کہ وہ اس کے روبرو ہو کر کلام کرے۔ اور وہ حکمت والا ہے اس لئے اس کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ اپنا کلام اپنے پیغمبروں پر نازل کر کے انسان کی ہدایت کا سامان کرے۔

۹۳۔ اس آیت میں ''روح'' سے مراد قرآن ہے اور اس کو روح سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ انسان کو حقیقی زندگی عطاء کرتا ہے وہ انسان کے لئے آبِ حیات ہے اور ایسا لطیف اور مؤثر کلام ہے کہ باطن کو ایک خاص روح (Spirit) سے بھر دیتا ہے۔

۹۴۔ یعنی تم ایمان اور کتاب سے اس طرح آشنا نہیں تھے جس طرح کہ اب ہوئے ہو۔ مقصود رسالت کے معجزانہ پہلو کو واضح کرنا ہے کہ جس شخص کی اچھی خاصی عمر اس طرح گذری ہو کہ نہ اسے ایمان کا تفصیلی علم حاصل ہوا ہو اور نہ کتاب الٰہی کا، وہ یکایک ایمان کی حقیقت کس طرح بیان کرنے لگا اور کتاب الٰہی کی آیتیں کس طرح پیش کرنے لگا! یہ اس کی رسالت کا واضح ثبوت ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی ﷺ نبوت سے پہلے ایمان سے بالکل ناواقف تھے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اللہ نے کوئی کتاب بھی نازل کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک نبی فطرت سلیمہ پر قائم ہوتا ہے اور نبی ﷺ بھی قبل از نبوت اپنی فطرت سلیمہ پر قائم تھے۔ توحید آپ کا بنیادی عقیدہ تھا۔ بت پرستی اور شرک سے بالکل دور رہے یہاں تک کہ بتوں کے نام کا ذبیحہ کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ دین ابراہیمی جس شکل میں باقی تھا اس کے پیرو تھے جس کا ایک اہم رکن حج تھا اور آپ کا غارِ حراء میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا بھی ثابت ہے۔ اس لئے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آپ ایمان سے بالکل نابلد تھے۔ اسی طرح کتاب الٰہی کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کو اس سلسلہ میں کوئی بات بھی معلوم نہیں تھی۔ یہود و نصاریٰ مکہ کے قرب وجوار میں آباد تھے اور ان کا اہل کتاب ہونا سب کو معلوم تھا اس لئے آپ اس بات سے ناواقف کس طرح رہ سکتے تھے کہ حضرت موسیٰ پر تورات اور حضرت عیسیٰ پر انجیل نازل ہوئی تھی لیکن چونکہ آپ اُمّی تھے اس لئے نہ آپ نے ان کتابوں کو پڑھا تھا اور نہ آپ کو اس سلسلہ میں کوئی خاص معلومات تھی مگر قرآن کے نزول نے نہ صرف آپ کے علم میں اضافہ کیا بلکہ آپ کو وہ روشنی عطا کی کہ ایمان کی حقیقت کھول کر بیان کریں اور کتابِ الٰہی کی آیتیں سنائیں اور ان کا درس دیں۔

۹۵۔ یعنی قرآن کو نور بنا دیا ہے کہ وہ ہدایت کی راہ روشن کرتا اور علم کی روشنی عطا کرتا ہے۔

۹۶۔ نبی ﷺ نے جس راستہ کی طرف رہنمائی کی ہے وہی سیدھا راستہ ہے جو اللہ تک پہنچتا ہے اور اسی کا نام اسلام ہے۔

۹۷۔ یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ جس نے خدا اور مذہب کے تعلق سے جو رویہ بھی اختیار کیا ہوگا بالآخر اسے اللہ کے حضور اس کی جواب دہی کرنا ہوگی کیونکہ سارے معاملات فیصلہ کیلئے اسی کے حضور پیش ہونے والے ہیں۔

# ۴۳۔الزخرف

**نام** آیت ۳۵ میں زُخرف (سونے) کا ذکر متاعِ دنیا کی حیثیت سے ہوا ہے۔اس مناسبت سے سورہ کا نام الزخرف ہے۔

**زمانۂ نزول** مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

**مرکزی مضمون** شرک کی نامعقولیت کو واضح کرتے ہوئے توحید کے حق ہونے کا یقین پیدا کرنا ہے۔

**نظمِ کلام** آیت ۱ تا ۴ تمہیدی آیات ہیں جو قرآن کی افادیت، اور اس کی عظمت کو واضح کرتی ہیں۔

آیت ۵ تا ۱۴ میں ان نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، جن پر غور کرنے سے اللہ کی وحدانیت کا یقین پیدا ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۵ تا ۲۵ میں مشرکانہ عقائد کی نامعقولیت واضح کی گئی ہے، خاص طور سے فرشتوں کے شریکِ خدا ہونے کی۔

آیت ۲۶ تا ۳۲ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تاریخی اعلان کو پیش کیا گیا، جو انہوں نے غیر اللہ کی پرستش سے بے تعلقی کے سلسلہ میں کیا تھا اور جو ایک یادگار کلمہ کی حیثیت سے باقی رہا۔مگر قریش جو اُن ہی کی نسل سے ہیں اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز کر کے شرک اور بت پرستی کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور اللہ کے رسول کی اس بنا پر مخالفت کر رہے ہیں کہ وہ توحید کی دعوت دیتا ہے۔

آیت ۳۳ تا ۴۵ میں دنیا کے حقیر فائدوں کی خاطر آخرت کو نظر انداز کرنے اور وحی و رسالت کا انکار کرنے کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۴۶ تا ۶۵ میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے کچھ احوال پیش کئے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی دعوت بھی توحید ہی کی دعوت تھی۔اور ان کی مخالفت کرنے والے سرکش لوگ تھے جو اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہے۔

آیت ۶۶ تا ۸۹ سورہ کی اختتامی آیتیں ہیں جن میں منکرین کو تنبیہ بھی ہے، اور اللہ سے ڈرنے والوں کو خوشخبری بھی۔نیز مجرموں کو ان کے انجامِ بد سے بھی آگاہ کیا گیا ہے اور بعض شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٣

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝٤

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝٥

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝٦

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٧

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ
خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٩

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۝١٠

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا
كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝١١

وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ
مَا تَرْكَبُوْنَ ۝١٢

# ۴۳-سُوْرَۃُ الزُّخْرُفِ

آیات: ۸۹

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ حا-میم۔ ا؎

۲ قسم ہے روشن کتاب کی۔ ۲؎

۳ ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم لوگ اسے سمجھو۔ ۳؎

۴ اور درحقیقت یہ ام الکتاب میں ہمارے پاس ہے، بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز۔ ۴؎

۵ کیا ہم تمہاری یاددہانی سے اسلئے صرفِ نظر کریں کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو؟ ۵؎

۶ ہم نے گزرے ہوئے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے تھے۔ ۶؎

۷ جو نبی بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے۔

۸ تو ہم نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جو ان سے زیادہ زور آور تھے ۷؎ ، اور سابق قوموں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

۹ اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ ان کو اسی ہستی نے پیدا کیا ہے جو غالب اور علیم ہے۔۸؎

۱۰ وہی ہے ۹؎ جس نے زمین کو تمہارے لئے گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنادئے ۱۰؎ تاکہ تم راہ پاسکو۔ ۱۱؎

۱۱ اور جس نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس سے مُردہ زمین کو جلا اٹھایا۔ اسی طرح تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے ۱۲؎ ۔

۱۲ جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے ۱۳؎، اور تمہارے لئے کشتیوں اور چوپایوں کو سواری بنایا۔

۱۔ یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کی تشریح اس سے پہلے گذر چکی اس سورہ میں حٰم کا اشارہ اللہ کی صفت ''حکیم'' کی طرف ہے جو آیت ۸۴ میں بیان ہوئی ہے نیز قرآن کے حکیم ہونے کی صفت کی طرف بھی جو آیت ۴ میں بیان ہوئی ہے۔

۲۔ قرآن کے روشن کتاب ہونے کی تشریح سورۂ یوسف نوٹ ۲۔ اور سورۂ نمل نوٹ ۲۔ میں گذر چکی۔

یہاں روشن کتاب کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب جن غیبی حقیقتوں پر سے پردہ اٹھا رہی ہے اور عقل و دل کو اپیل کرنے والی جو تعلیم پیش کر رہی ہے اور جس وضاحت کے ساتھ پیش کر رہی ہے وہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ کتاب اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور اس نے ہدایت کی راہ کھول دی ہے۔

۳۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ یوسف نوٹ ۳۔

۴۔ امّ الکتاب سے مراد ''لوحِ محفوظ'' ہے جیسا کہ سورۂ بروج میں ارشاد ہوا ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔ (بروج: ۲۴) ''بلکہ یہ عظمت والا قرآن ہے جو لوحِ محفوظ میں (ثبت) ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اپنے کلام کو ضبطِ تحریر میں لانے کا جو اہتمام کر رکھا ہے اس میں اللہ کا یہ کلام درج ہے اور وہاں اس کی شان نہایت اعلیٰ و ارفع ہے اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ علم حکمت کا خزانہ ہے۔ اگر تم اس کی قدر نہ کرو تو یہ تمہاری نااہلی کا ثبوت ہوگا ورنہ آسمان میں اس کو بلند پایہ اور گرامی قدر کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے اس لعلِ درخشاں کو وہی لوگ پتھر سمجھتے ہیں۔ جن کی عقل پر پتھر پڑے ہیں۔

قرآن شیطان کی دخل اندازی سے بھی محفوظ ہے اور انسان کی دسترس سے بھی باہر۔ اس کا سرچشمہ ایسی بلندی پر ہے جہاں کسی کی پہنچ نہیں۔

آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو لوگ اس کلام عالی مقام کی قدر کریں گے ان کا مرتبہ بلند ہوگا اور وہ اپنے دامن کو علم و حکمت کے موتیوں سے بھر لیں گے۔

۵۔ خطاب قرآن کے منکرین سے ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی سرکشی کی بنا پر چاہتے ہو کہ نصیحت اور تنبیہ کی باتیں تمہارے سامنے نہ آئیں لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اصلاح کا موقع دینا چاہتا ہے اور تم پر اپنی حجت قائم کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ قرآن نازل کر کے تمہاری یاد دہانی کا سامان کر رہا ہے تمہاری غلط خواہشات کی بنا پر اس سلسلہ کو روکا نہیں جا سکتا۔

۶۔ یعنی یہ کوئی پہلا نبی نہیں ہے جو اللہ کی طرف سے یاد دہانی لے کر آیا ہو بلکہ اس سے پہلے بھی کتنے ہی نبی گزرے ہیں جو مختلف قوموں میں اللہ کی طرف سے نصیحت کا پیغام لے کر آئے تھے۔

۷۔ یعنی فرعون جیسے جباروں کو جو قریش کے سرداروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ زور اور غلبہ رکھتے تھے۔

۸۔ یہ توحید پر استدلال ہے کہ جب تم اتنی بڑی حقیقت کو تسلیم کرتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں یہ پوری کائنات ہے اور جو نہایت علم رکھنے والی ہستی ہے تو پھر کسی اور کے خدا اور معبود ہونے کے لئے گنجائش کہاں سے نکل آئی؟ تم نے کیسی متضاد باتوں کو جمع کر لیا ہے۔ ایک طرف حقیقت کا اعتراف بھی اور دوسری طرف اس کی نفی بھی۔ اللہ کا اقرار بھی اور اس کے تنہا الٰہ ہونے سے انکار بھی۔

۹۔ یہ اللہ کی طرف سے توحید کے سلسلہ میں مزید وضاحت ہے تاکہ اس پر یقین پیدا ہو۔

۱۰۔ مراد قدرتی راستے ہیں جو پہاڑوں وغیرہ کے درمیان ہوتے ہیں۔

۱۱۔ یعنی ان قدرتی راستوں کے ذریعہ تم اپنی منزل کو پہنچ سکو نیز ان راستوں کو دیکھ کر تمہارا ذہن اللہ کے راستہ کی طرف منتقل ہو جائے اور تم راہِ ہدایت پا سکو۔

۱۲۔ یہ قیامت کے دن اٹھائے جانے پر استدلال ہے کہ جس طرح مُردہ زمین بارش کے پانی سے زندہ ہو جاتی ہے اور سرسبز شاداب ہو کر لہلہانے لگتی ہے اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔

۱۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ یٰسٓ نوٹ ۳۹۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ
عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا
لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳ تاکہ تم ان کی پشت پر سوار ہو اور جب تم ان پر سوار ہو تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو ۱۴؎، اور کہو پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ورنہ ہمارے بس میں نہ تھا کہ ان کو قابو میں کر لیتے۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴ اور ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ۱۵؎

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

۱۵ ان لوگوں نے اس کے بعض بندوں کو اس کا جزء بنا دیا ۱۶؎۔ بلاشبہ انسان کھلا ناشکرا ہے ۱۷؎۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶ کیا اس نے (اللہ نے) اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں رکھ لیں اور تمہارے لئے بیٹے خاص کر دئے؟ ۱۸؎

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا
ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾

۱۷ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جو رحمٰن کے لئے وہ تجویز کرتا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے۔ ۱۹؎

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

۱۸ کیا وہ (صنف) جو زیوروں میں پلتی ہے اور بحث ونزاع میں واضح بات نہیں کر پاتی! ۲۰؎

وَجَعَلُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا
خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں لڑکیاں بنا دیا ہے۔ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ۲۱؎ ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس ہوگی۔

وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ
اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰ کہتے ہیں اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ۲۲؎، ان کو اس کا کوئی علم نہیں۔ یہ محض اٹکل کی باتیں کرتے ہیں۔ ۲۳؎

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱ کیا ہم نے اس سے پہلے ان کو کوئی کتاب دی تھی جس کی سند وہ پکڑ رہے ہوں؟ ۲۴؎

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ
مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲ نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل کر ٹھیک راہ پر جا رہے ہیں ۲۵؎۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ
مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ اسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی خبردار کرنے والا بھیجا اس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا، کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے نقشِ قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔

۱۴؎ یعنی اللہ کی اس نعمت کو کہ اس نے خشکی اور تری میں تمہاری سواری کا انتظام کر دیا۔ سواری کیلئے اس زمانہ میں یا تو جانور ہوتے تھے یا کشتیاں اس لئے آیت میں ان چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ موجودہ زمانہ میں سواری کیلئے جو نئی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں مثلاً موٹریں، ٹرین، جہاز، ہوائی جہاز وغیرہ وہ اگرچہ انسان کی دریافت ہیں مگر درحقیقت اللہ ہی کی نعمت ہیں کیونکہ جس قوت سے یہ چیزیں چلتی ہیں وہ اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی نے انسان کیلئے اس کو ساز گار بنا دیا ہے لہٰذا سواری خواہ کوئی ہو اس کو استعمال کرتے وقت یہ احساس ہونا چاہئے کہ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اس نعمت سے نوازا۔

۱۵؎ ان دو آیتوں (۱۳ اور ۱۴) میں سواری کے تعلق سے چند اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں:

ایک یہ کہ آدمی کسی بھی سواری پر سوار ہوتے وقت شعوری طور پر اللہ کے اس احسان کو یاد کرے کہ اس نے یہ قوتیں اس کے لئے مسخر کر دیں۔

دوسری یہ کہ وہ زبان سے بھی اللہ کی پاکی اور اس کے شکر کے کلمات ادا کرے:

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ۔ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ۔

’’پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے ان چیزوں کو مسخر کر دیا ورنہ ہمارے بس میں نہ تھا کہ ان کو قابو میں کر لیتے۔ اور ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔‘‘

اس دعا کا اہتمام سوار ہوتے وقت ضروری ہے اور اس کا مسنون ہونا حدیث سے ثابت ہے۔

تیسری بات یہ کہ کسی بھی سواری پر سوار ہو کر تکبر کا نہیں بلکہ بندگی کی شان کا اظہار ہونا چاہئے اور یہ دعائیہ کلمات اللہ کی بندگی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

چوتھی بات یہ کہ سفر کرتے وقت آدمی سفرِ آخرت کو نہ بھولے اور اپنی آخری منزل کہ اللہ کے حضور لوٹنا ہے یاد رکھے۔

سواری جانور کی ہو یا کشتی کی، موٹر کی ہو یا ہوائی جہاز کی، خطرات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ کیا معلوم کب کیا حادثہ پیش آ جائے اس لئے چوکنا ہو کر اللہ کو یاد کرتے ہوئے اور آخرت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سفر کا آغاز کرنا چاہئے۔ آئے دن کے تباہ کن حادثات انسان کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہیں۔

۱۶؎ مراد اللہ کے خاص بندے ہیں مثلاً فرشتے، انبیاء وغیرہ اور ان کو اللہ کا جزء بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس کی ذات کا ایک حصہ سمجھ لیا حالانکہ اللہ کی ذات ناقابلِ تجزیہ ہے۔ اس کی ذات سے نہ کوئی چیز خارج ہوتی ہے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز داخل ہوتی ہے۔ وہ یکتا ہے اور بے مثال ہے (تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اخلاص نوٹ ۳؎، ۴؎ اور ۷؎) مشرکین عرب نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا کر ان کو اللہ کی ذات کا جزء بنا دیا۔ اسی طرح نصاریٰ نے بھی حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا جبکہ بیٹا اور بیٹی باپ کا جزء ہوتے ہیں۔ اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء سب اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں پھر وہ خالق کا جزء کیسے ہو سکتے ہیں؟

رہا ہندوازم تو وہ پوری کائنات کو خدا کا جزء قرار دیتا ہے۔

"He both is and is not the Created Universe, for while the created universe, is a part of his being it is not the whole of it."(Spiritual Heritage of India by Swami Prabhavananda P.32)

یعنی خدا نے کائنات کو پیدا کیا بھی ہے اور نہیں بھی کیونکہ تخلیق شدہ کائنات اس کی ذات کا جزء ہے مکمل اسکی ذات نہیں۔ کیسی متضاد الجھی ہوئی اور گمراہ کن باتیں ہیں یہ جن کو ایک فلسفہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اسی ہندوانہ فلسفہ کا اثر ہے کہ بعض صوفیاء وحدۃ الوجود کے قائل ہو گئے۔ انہوں نے خالق اور مخلوق کے فرق کو مٹا دیا اور خدا اور کائنات کو ایک ہی وجود سے تعبیر کیا یہ گمراہی مسلمانوں میں تصوف کی راہ سے آئی۔ اگر مسلمان آنکھیں کھول کر قرآن کا مطالعہ کرتے تو وہ توحیدِ خالص کو پاتے اور گمراہ صوفیوں کے چکر میں نہ آتے۔

۱۷۔ یہ کھلی ناشکری ہے کہ انسان فائدہ اٹھائے اللہ کی نعمتوں سے مگر عبادت کرے غیر اللہ کی۔

۱۸۔ مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ان کے اسی دعوے کی نامعقولیت کو یہاں واضح کیا گیا ہے۔وہ بیٹوں پر فخر کرتے تھے اور بیٹیوں کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے تھے۔ان کی اسی ذہنیت کے پیش نظر ان کے دعوے کی نامعقولیت ان پر واضح کی جارہی ہے۔مدعا یہ ہے کہ اول تو اللہ کی اولاد ہونے کا تصور ہی باطل ہے۔مزید یہ کہ تم نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہے۔جب کہ بیٹیوں کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے بلکہ معیوب خیال کرتے ہو۔تو جس چیز کو معیوب خیال کرتے ہو وہ اللہ کے لئے تجویز کرنا کہاں کی معقولیت ہے؟اس ایک پہلو ہی سے اگر غور کرو تو تم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہو گے کہ بڑی احمقانہ بات ہے جو تمہاری زبان سے نکل رہی ہے۔

۱۹۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ نحل نوٹ ۸۰۔

۲۰۔ یہ لڑکیوں کے تعلق سے مشرکین ہی کے ذہن کا ابھرتا ہوا سوال ہے جو ان ہی پر الٹ دیا گیا ہے۔وہ لڑکی کی پیدائش کو اپنے لئے باعثِ عار خیال کرتے تھے کیونکہ قبائلی سسٹم میں افرادی قوت کی بڑی اہمیت تھی اور اس کی طاقت کا انحصار مردوں ہی پر تھا۔دشمن سے مقابلہ مرد کرتے تھے نہ کہ عورتیں۔پھر کسی نزاعی مسئلہ میں بھی اپنے موقف کو مرد ہی وضاحت کے ساتھ پیش کر سکتے تھے۔عورتیں بالعموم ایسے موقع پر جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور اپنے مؤقف کو وضاحت کے ساتھ پیش نہیں کر پاتیں اس لئے لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر ان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ صنف جو زیورات کی جھنکار میں پرورش پاتی ہے دشمن سے مقابلہ کے لئے اور جنگ کے موقع پر ہمارے کیا کام آسکتی ہے بخلاف اس کے لڑکا صنفِ قوی سے تعلق رکھتا اور تلواروں کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔اس لئے دشمن سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہے اور لڑائی کے لئے موزوں ہے۔اسی طرح ان کے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا تھا کہ قبائل کے درمیان جو نزاعات پیدا ہوتی رہتی ہیں ان میں لڑکی کیا رول ادا کر سکے گی جبکہ وہ ایسے موقع پر جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ان کی اسی ذہنیت کو ان پر الٹ دیا گیا ہے کہ جب تم ان وجوہ سے لڑکیوں کو اپنے لئے باعثِ عار خیال کرتے ہو تو پھر اللہ کے لئے بیٹیاں کس طرح تجویز کرتے ہو؟ اول تو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا حماقت ہے اور اس پر مزید حماقت یہ کہ صنفِ نازک کو اس کی اولاد قرار دیا جائے۔ گویا اللہ نے اپنی خدائی کو چلانے اور اپنے اقتدار کو قائم کرنے کے لئے جس کا انتخاب کیا وہ صنفِ نازک ہے۔یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا بھونڈا پن اور جس کا لغو ہونا بالکل ظاہر ہے۔پھر اللہ کے بارے میں ایسی بھونڈی بات کہتے ہوئے تمہیں شرم محسوس نہیں ہوتی۔آیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے عورتوں کی تنقیص یا تحقیر کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے اس لئے ان کی فطرت میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے۔البتہ مردوں کی خصوصیات اور عورتوں کی خصوصیات میں کسی قدر فرق ہے۔مرد قوت کی علامت ہیں تو عورتیں زینت کا نشان۔ اور جہاں تک خدائی نظام کا تعلق ہے اس میں نہ مرد دخیل ہیں اور نہ عورتیں اور کسی کے بھی دخیل ہونے کا تصور ہی سرے سے باطل ہے لیکن عورتوں کو دخیل سمجھنا بڑی بھونڈی بات ہے۔سورۂ نجم میں یہی بات ارشاد ہوئی ہے۔

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَ لَہُ الۡاُنۡثٰی تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ ضِیۡزٰی۔ (نجم:۲۱،۲۲)

''کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اللہ کیلئے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو بہت بھونڈی ہوئی۔''

۲۱۔ یعنی آخر انہیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے لڑکیاں ہیں۔فرشتے غیب سے تعلق رکھتے ہیں اور غیب کی حقیقتوں کو جاننے کا ذریعہ وحی ہے جس کے یہ لوگ قائل نہیں ہیں۔پھر کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے جو انہیں فرشتوں کی صنف معلوم ہوگئی؟

واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ فرشتوں کی صنف کے بارے میں ان کا دعویٰ غلط ہے دوسرے یہ کہ وہ خدا کا جزء نہیں ہیں کہ بیٹیاں قرار پائیں۔حقیقت

یہ ہے کہ وہ خدائے رحمٰن کے خاص بندے ہیں۔جن کو کسی بھی صنف سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

۲۲۔ یہ کٹ حجتی ہے۔آدمی جب بحث پر اتر آتا ہے تو اللہ کی مشیت پر ساری ذمہ داری ڈالتا ہے۔گویا وہ تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے اور بالکل بے اختیار ہے مگر انسان دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں یہ رویہ اختیار نہیں کرتا۔اگر کوئی شخص اس کا مال چراتا ہے یا اس کو مارتا ہے یا اس پر ظلم کرتا ہے تو وہ یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ وہ ایسا کرنے کیلئے تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے اس لئے وہ سزا کا مستحق نہیں۔

۲۳۔ عقیدہ اور عبادت کا معاملہ علم پر مبنی ہونا چاہئے نہ کہ قیاس پر مشرکین کا فرشتوں کو اللہ کے اقتدار میں شریک اور لائق عبادت سمجھنا کسی تحقیق پر مبنی نہیں تھا بلکہ محض اٹکل پچو بات تھی جو بہت بڑی گمراہی ہے۔

۲۴۔ یعنی فرشتوں کو انہوں نے جو معبود (دیویاں) بنا رکھا ہے تو اس کی تائید میں آسمانی کتاب کی کوئی حجت ان کے پاس موجود نہیں ہے کیونکہ عربوں (بنی اسمٰعیل) میں اللہ تعالیٰ نے قرآن سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں کی تھی پھر یہ کس دلیل کی بناء پر یہ دعویٰ کررہے ہیں؟

واضح رہے کہ اللہ کے رسول مختلف قوموں اور ملکوں میں آتے رہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو کتاب عطا نہیں کی کیونکہ اس زمانہ میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم ہونے کی وجہ سے ہر قوم اس کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔

عرب ایک امّی قوم تھی اس لئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام نے جو کچھ نقوش چھوڑے وہ ان کی رہنمائی کا ذریعہ تھے۔اسی طرح کا معاملہ دنیا کی مختلف قوموں کے ساتھ رہا ہوگا۔ان کیلئے انبیائی ہدایت کا سامان کیا جاتا رہا البتہ بنی اسرائیل میں رسول بھی آئے اور کتابیں بھی نازل ہوئیں۔

۲۵۔ یعنی جس شرک اور بت پرستی میں وہ مبتلا ہیں اس کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اپنے گمراہ باپ دادا کی اندھی تقلید کررہے ہیں اور اس زعم میں مبتلا ہیں کہ باپ دادا کے مذہب پر چلنا راہ یاب ہونا ہے۔

عقیدہ و مذہب کے معاملہ میں انسان کی سب سے بڑی گمراہی یہی رہی ہے کہ وہ اللہ کی حجت کے مقابلہ میں تقلید کو ترجیح دیتا رہا ہے خواہ وہ آباء واجداد کی تقلید ہو یا مذہبی پیشواؤں کی یا لیڈروں کی، مگر قرآن ہر قسم کی تقلید کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور وحی الٰہی کی راہ روشن کرتا ہے جو علم کی راہ ہے۔امام رازی تقلید کی گمراہی کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر اللہ کی کتاب میں صرف یہی آیتیں ہوتیں تو وہ تقلید کو باطل قرار دینے کے لئے کافی ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ان کافروں کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی جس کو یہ پکڑے ہوئے ہوں بلکہ محض تقلید ہے اپنے آباء واجداد اور گزرے ہوئے لوگوں کی۔'' (التفسیر الکبیر ج ۲۷ص ۲۰۶)

اور علامہ شوکانی نے اس آیت کے ذیل میں مسلمانوں میں پائے جانے والے تقلیدی ذہن پر سخت گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ بہت بڑی دلیل ہے تقلید کے باطل اور اس کے بُرا ہونے کی مگر اسلام میں رہتے ہوئے یہ مقلدین اپنے گذرے ہوئے لوگوں کی بات پر عمل کرتے ہیں، ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔جب حق کی طرف دعوت دینے والا انہیں گمراہی سے نکالنا یا اس بدعت سے بچانا چاہتا ہے جس کو انہوں نے مضبوط پکڑ رکھا ہے اور اپنے بزرگوں سے کسی روشن دلیل اور واضح حجت کے بغیر ورثہ میں پایا ہے اور جو غلط شبہات، بودے دلائل اور باطل اقوال پر مبنی ہونے کی وجہ سے محض قیل وقال کی حیثیت رکھتے ہیں تو یہ لوگ وہی جواب دیتے ہیں جو ان مذاہب کے خوشحال لوگوں نے دیا تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مسلک پر پایا ہے اور ہم ان کے نقشِ قدم کی پیروی میں راہیاب ہیں۔یا ان معنی میں کوئی بات کہہ دیتے ہیں۔'' (فتح القدیر ج۴ص ۵۵۲)

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْؕ
قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ
بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ
وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ
مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَؕ
نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّاؕ وَرَحْمَتُ
رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

۲۴ اس خبردار کرنے والے نے کہا اگر میں اس طریقہ کے مقابلے میں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بہترین ہدایت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تو کیا اس صورت میں بھی تم ان ہی کے نقشِ قدم پر چلو گے؟ انہوں نے جواب دیا، تم جو پیغام دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ ۲۶؎

۲۵ آخر کار ہم نے ان کو سزا دی تو دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!

۲۶ اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا، میں ان چیزوں سے بالکل بےتعلق ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو،

۲۷ میں صرف اسی کی پرستش کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔

۲۸ اور اس نے اس کو باقی رہنے والے کلمہ کی حیثیت سے اپنی اولاد میں چھوڑا، تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ ۲۷؎

۲۹ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو سامان زندگی دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور ایک آشکار رسول آ گیا۔ ۲۸؎

۳۰ اور جب حق ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے کافر ہیں۔ ۲۹؎

۳۱ اور انہوں نے کہا یہ قرآن ان دو شہروں کے بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ ۳۰؎

۳۲ کیا تمہارے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ۳۱؎ دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کا سامان ہم نے ان کے درمیان تقسیم کر دیا ہے ۳۲؎۔ اور ان میں سے بعض کے درجے بعض پر بلند کر دئے ہیں تا کہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیں ۳۳؎۔ اور تمہارے رب کی رحمت اس (دولت) سے بدرجہا بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ ۳۴؎

۲۶۔ ان کا یہ جواب سراسر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ تھا۔

۲۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کو پیش کر کے مشرکین عرب کو فہمائش کی گئی ہے کہ تم نے اپنے گمراہ آباءواجداد کی تقلید میں شرک اور بت پرستی اختیار کی لیکن اپنے جدِامجد ابراہیمؑ کے اسوہ کو جو اللہ کے رسول تھے چھوڑ دیا۔حالانکہ لائق اتباع رسول کا طریقہ ہوتا ہے نہ کہ باپ دادا کا طریقہ۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کی تقلید نہیں کی تھی بلکہ ان کے مشرکانہ عقائد اوران کی بت پرستی سے بے زاری کا اعلان کیا تھااور توحید کو فطرت کی آواز اور دلائل کی بنا پر اختیار کیا تھا۔توحید کا یہ کلمہ انہوں نے اپنی اولاد اور اپنے اَخلاف میں ایک یادگار کی حیثیت سے چھوڑا تا کہ اگر سماج میں گمراہی پیدا ہوجائے تو لوگ اس تاریخی کلمہ کی طرف رجوع کریں۔یہ کلمہ اس لئے یادگار کلمہ قرار پایا کہ اس کی پشت پر زبردست قربانیاں تھیں جو انہوں نے دیں نیز ایک تاریخ تھی جو انہوں نے بنائی۔اوراسی کلمہ کا یہ اثر تھا کہ جب عربوں میں بت پرستی رائج ہوئی تو جو لوگ اپنی فطرت سلیمہ پر قائم تھے وہ بت پرستی سے دور رہے اور حضرت ابراہیمؑ کے نقشِ قدم پر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔چنانچہ نبی ﷺ کا قبل نبوت غارِحراء میں صرف اللہ کی عبادت کرنا ثابت ہے۔

۲۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد (عربوں) کو جو مال واسباب دیا اس میں وہ مگن رہے اور خدا اور آخرت سے بالکل بے پرواہ ہوگئے۔ایک مدت سے ان کا یہی حال رہا یہاں تک کہ حق کی روشنی نمودار ہوگئی اور ایک ایسا رسول ان میں مبعوث ہوا جس کا رسول ہونا بالکل واضح ہے۔

۲۹۔ یعنی قرآن کے ذریعہ جب حق ظاہر ہوگیا تو انہوں نے اس کی تاثیر کو دیکھ کر اسے جادو قرار دیا اور ماننے سے انکار کردیا۔

۳۰۔ دوشہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں جو مرکزی شہر تھے مشرکینِ مکہ کا اعتراض یہ تھا کہ قرآن اگر واقعی اللہ کی طرف سے ہے تو وہ مکہ اور طائف کے کسی رئیس پر نازل کیا جانا چاہئے تھا۔ایک ایسا شخص اس کے لئے کس طرح موزوں ہوا جو نہ دولتمند ہے اور نہ جاہ ومنصب رکھتا ہے؟

۳۱۔ یہ ان کے اعتراض کا جواب ہے کہ نبوت اللہ کی رحمت ہے اور اللہ کی رحمت کو تقسیم کرنا اللہ کا کام ہے یا ان کا؟ اگر یہ اللہ ہی کا کام ہے تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی رحمت کے لئے کون شخص موزوں ہے۔تم کو کیا حق کہ کسی کے موزوں ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر بیٹھو۔

۳۲۔ یعنی نبوت تو بڑی بات ہے لوگوں کے درمیان معیشت کی تقسیم بھی تو اللہ ہی کی مشیت سے ہورہی ہے وہ جس کو چاہتا ہے امیر بناتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غریب۔اور کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص کو امیر کیوں بنایا اور فلاں شخص کو غریب کیوں۔بندوں کی مصلحتوں کو اللہ بہتر جانتا ہے اور اس کی حکمت جس طرح متقاضی ہوتی ہے وہ اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

۳۳۔ یعنی اللہ نے معیشت کی تقسیم میں جو تفاوت رکھا ہے کہ کسی کو وسائل زیادہ عطا کئے اور کسی کو کم، کوئی امیر گھرانہ میں پیدا ہوا اور ورثہ میں بہت بڑی دولت پائی اور کوئی غریب گھرانہ میں پیدا ہوا اور ورثہ میں کچھ نہیں پایا۔کسی کی کھیتی زرا لگتی ہے اور کوئی سرے سے کھیتی ہی سے محروم ہے، کسی کو کاروبار کے ذرائع حاصل ہیں اور کوئی محنت مزدوری ہی کرسکتا ہے تو یہ تفاوت ایک طرح سے درجات کا تفاوت ضرور ہے مگر اس کا کوئی تعلق عزت وذلت سے نہیں ہے اور نہ اس بنا پر اللہ کے یہاں کسی کا درجہ بڑھتا یا گھٹتا ہے اس لئے نبی کی شخصیت کو اس نظر سے دیکھنا کہ اس کے پاس اسباب معیشت کی فراوانی نہیں ہے لہٰذا وہ اس منصب کے لئے موزوں نہیں ہوسکتا نری جہالت ہے۔

پھر جب بات معیشت میں درجات کے تفاوت کی آئی تو اس کی مصلحت بھی واضح کردی اور وہ یہ کہ لوگ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں۔اگر سب لوگ یکساں صلاحیت لے کر آتے اور یکساں وسائل پاتے تو کوئی کسی کو نہ پوچھتا اور انسانی سوسائٹی کا نظام تعاون کی بنیاد پر نہ چلتا۔اگر سب افلاطون کا دماغ لے کر آتے تو سب ہی فلسفی بن کر رہ جاتے۔کاشتکار، تاجر، معمار اور کاریگر کہاں سے آتے۔اور اگر سب پیدائشی طور پر امیر ہی امیر

یا غریب ہی غریب ہوتے تو نہ امیر کسی کے تعاون کا محتاج ہوتا اور نہ غریب سے کوئی سروکار رکھتا۔ اس طرح انسانی سوسائٹی کے نظام میں باہمی تعاون کی روح مفقود ہوتی۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسانی سوسائٹی میں دولت کے تفاوت کو کم کرنے کے لئے جائز اور منصفانہ ذرائع اختیار نہ کئے جائیں اور ان کو طبقات میں تقسیم کر دیا جائے۔ قرآن کے واضح احکام اس کی تردید کرتے ہیں مثلاً یہ حکم کہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتی رہے (سورۂ حشر: ۷) اسی طرح وراثت کا نظام، زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم وغیرہ۔

۳۴۔ یعنی دنیا کی جو دولت یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں اس کے مقابلہ میں وہ دولت جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نوازا ہے ہر لحاظ سے بہتر ہے کیونکہ یہ دولت (نبوت) اللہ کی خاص رحمت ہے جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے۔

اور جو رحمٰن کے ذکر سے بے پرواہ ہو جاتا ہے ہم اس پر
ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، اور وہ اس کا ساتھی بن
جاتا ہے۔ وہ (شیاطین) ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں،
اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔ یہاں تک کہ
جب ایسا شخص ہمارے پاس پہنچے گا تو (اپنے شیطان سے)
کہے گا، کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی
دوری ہوتی۔ تو کیا ہی برا ساتھی ہوا۔ (القرآن)

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ
يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ
عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳ اور اگر اس کا امکان نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی طریقہ پر چل پڑیں گے، تو ہم رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور زینے جن پر وہ چڑھتے ہیں چاندی کے بنا دیتے،

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ نیز ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے تخت بھی جن پر وہ تکئے لگا کر بیٹھتے ہیں،

وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ
عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ اور سونے سے بھی انہیں مالا مال کرتے۔ یہ سب دنیا کی زندگی ہی کا سامان ہے۔ اور آخرت تمہارے رب کے ہاں صرف متقیوں کیلئے ہے۔[۳۵]

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

۳۶ اور جو رحمٰن کے ذکر سے بے پرواہ ہو جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔[۳۶]

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ وہ (شیاطین) ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ
فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

۳۸ یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس پہنچے گا تو (اپنے شیطان سے) کہے گا، کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی[۳۷]۔ تو کیا ہی برا ساتھی ہوا۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ اور جب تم ظلم کر چکے ہو تو یہ بات تمہارے لئے کچھ بھی مفید نہ ہوگی کہ تم عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہو۔[۳۸]

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ
فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

۴۰ (اے نبی) کیا تم بہروں کو سناؤ گے یا اندھوں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو راہ دکھاؤ گے۔[۳۹]

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱ اگر ہم تمہیں اٹھا لیتے ہیں تو (اس کے بعد) انہیں سزا ضرور دیں گے،[۴۰]

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ یا یہ ہوگا کہ تم کو ان کا انجام دکھا دیں گے جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے[۴۱]۔ ایسا کرنے پر ہم پوری طرح قادر ہیں۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

۴۳ تو جو وحی تمہاری طرف کی گئی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو[۴۲]۔ یقیناً تم سیدھی راہ پر ہو۔

۳۵۔ یہاں اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے جو عام طور سے کافروں کو خوش حال دیکھ کر سطحیت پسند ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب اللہ نے ان کو خوشحال اور دولتمند بنایا ہے تو وہ ضرور ان سے خوش ہوگا اور اگر آخرت برپا ہوئی تو وہاں بھی انہیں سب نعمتیں حاصل ہوں گی۔ یہاں اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ کافروں کا خوشحال اور دولتمند ہونا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اللہ ان سے خوش ہے اور آخرت میں بھی وہ خوشحال ہونگے۔ دنیا میں جو کچھ بھی انہیں دیا جا رہا ہے وہ دنیا کی زندگی تک ہی محدود رہنے والا ساز و سامان ہے اور انہیں اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ وہ کفر میں جتنا آگے نکل جانا چاہیں نکل جائیں اور اپنا پیمانہ خوب بھرلیں اس کے بعد آخرت کی نعمتوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ کے نزدیک دنیوی مال و متاع بالکل بے وقعت ہے اور جس فراوانی کے ساتھ کافروں کو دیا جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ فراوانی کے ساتھ انہیں دیا جاتا، یہاں تک کہ وہ اپنے گھروں کو چاندی سے آراستہ کرلیتے اور سونے سے انہیں مالا مال کردیا جاتا مگر اس صورت میں لوگ سونے چاندی کی چمک دمک سے متاثر ہوکر کفر کی راہ پر جا پڑتے۔ ہر شخص دنیا بٹورنے کے لئے آگے بڑھتا اور پوری انسانیت کفر پر مجتمع ہوجاتی۔ یہ ایسا زبردست امتحان ہوتا کہ خال خال لوگ ہی ایسے نکلتے جو اپنی فطرتِ سلیمہ پر قائم رہتے اور دنیا کے سامانِ عشرت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ پر ایمان لاتے اور تقویٰ کی زندگی بسر کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر رحم فرمایا اور اسے اتنے کڑے امتحان میں نہیں ڈالا۔

اس ارشادِ الٰہی سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ دنیوی عیش و عشرت کا سامان کچھ زیادہ ہی دیتا ہے اور تمدنی ترقی کے اسباب بالعموم ان کے لئے زیادہ مہیا کردیتا ہے مگر اہلِ ایمان کے لئے یہ چیزیں رشک کرنے کی نہیں ہیں کیونکہ یہ چند روزہ زندگی کی متاعِ حقیر ہے۔ آخرت کی بہترین اور لازوال نعمتیں متقیوں ہی کے حصہ میں آنے والی ہیں۔

آج مسلمانوں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہوں نے صاف ذہن سے اس حقیقت کو قبول کرلیا ہو اور جو دنیوی زخارف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تقویٰ کی زندگی کو اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرتے ہوں۔

۳۶۔ سلسلۂ بیان سے واضح ہے کہ جو لوگ سیم و زر پر ریجھتے ہیں اور دنیوی عیش و عشرت کے دل دادہ بن جاتے ہیں وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوجاتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیطان ان پر مسلّط ہوجاتا ہے اور وہ ان کا ساتھی بن کر ان کو گمراہ کرتا ہے۔

یہاں اللہ کے ذکر سے مراد پورے شعور کے ساتھ اپنے رب کو یاد کرنا اور یاد رکھنا ہے۔ یعنی قلب و ذہن کا اللہ کی طرف متوجہ رہنا۔ ذکرِ لسانی (زبان سے اللہ کا ذکر کرنا) اس میں بڑا معاون ہے اور اس لحاظ سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔

اس موقع پر سورۂ طٰہٰ نوٹ ۱۵۲ بھی پیشِ نظر رہے۔

شیطان کا مسلّط ہونا اور اس کا ساتھی بن کر رہنا ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہ دینے والی چیز ہے مگر اس کے اثرات افکار و خیالات اور اخلاقی و عملی زندگی میں محسوس کئے جاسکتے ہیں اور قرآن ہمیں ان چیزوں سے آگاہ کرتا ہے جو اگرچہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن ہمارے عقائد و اعمال پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

۳۷۔ اصل میں ''بعد المشرقین'' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے جس کے لفظی معنی ہیں دو مشرقوں کے درمیان کی دوری۔ لیکن عربی محاورہ میں مشرق اور مغرب کے لئے مشرقین (دو مشرق) کہا جاتا ہے جیسا کہ شمس و قمر کے لئے قمران (دو قمر) بولنے کا محاورہ ہے۔ اسی لئے بعد المشرقین کا ترجمہ مشرق و مغرب کی دوری کیا گیا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ کافر شیطان کو اپنا ساتھی بنائے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن وہ اپنے اس ساتھی سے سخت نفرت کریں گے

اوراس سے برملا کہدیں گے کہ کاش میرے اور تیرے درمیان انتہائی دوری ہوتی!

۳۸۔ یعنی جب دنیا میں تم اپنے نفس پر ظلم ڈھا کر آئے ہو تو آج تم اپنے شیاطین کے ساتھ عذاب میں شریک ہو اور تمہاری یہ شرکت تمہارے عذاب میں کسی تخفیف کا باعث نہیں ہوسکتی یعنی یہ شیاطین تمہارا کوئی بار ہلکا نہیں کرسکتے اور تمہارا دوزخ میں مجتمع ہونا احساسِ درد میں کمی کا باعث نہیں ہوسکتا۔

۳۹۔ یعنی جنہوں نے حق بات کو سننے اور راہِ حق کو دیکھنے کی صلاحیت کھودی ہے ان پر نہ کوئی نصیحت اثر انداز ہوسکتی ہے اور نہ ان کی رہنمائی کی جاسکتی ہے۔

۴۰۔ یعنی اے پیغمبر یہ لوگ تمہاری وفات کا انتظار کر رہے ہیں لیکن اگر ہم نے تمہیں دنیا سے اٹھا بھی لیا تو یہ لوگ اللہ کے عذاب سے جو کفر کی پاداش میں ان پر آنا ہے ہرگز بچنے والے نہیں۔

اس موقع پر سورۂ یونس نوٹ ۷۵ بھی پیش نظر رہے۔

۴۱۔ اور یہی دوسری صورت پیش آئی۔ کافروں کا انجام نبی ﷺ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھا دیا گیا۔

۴۲۔ مراد قرآن ہے جس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینے کا مطلب اس کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دینا اور یکسوئی کے ساتھ اس راہ پر چلنا ہے جو وہ دکھا رہا ہے۔

اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور انہوں
نے اس کی اطاعت کی۔ وہ تھے ہی نافرمان
لوگ۔(القرآن)

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾

[۴۴] اور بے شک یہ تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے۔عنقریب تم سے باز پرس ہوگی۔ ۴۳؎

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ
دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

[۴۵] تم سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے، ان سے پوچھ دیکھو کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود مقرر کئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے؟ ۴۴؎

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾

[۴۶] ہم نے موسیٰ ۴۵؎ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تو اس نے کہا، میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

[۴۷] اور جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے۔

وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫
وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

[۴۸] ہم ان کو ایک سے بڑھ کر ایک نشانی دکھاتے رہے ۴۶؎، اور ہم نے ان کو عذاب کی گرفت میں لے لیا تاکہ رجوع کریں۔ ۴۷؎

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ
اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

[۴۹] مگر وہ کہتے اے جادوگر! اپنے رب سے اس عہد کی بنا پر جو اس نے تم سے کر رکھا ہے ہمارے لئے دعا کرو۔ ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔ ۴۸؎

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

[۵۰] اور جب ہم ان پر سے عذاب ہٹا دیتے تو وہ اپنا عہد توڑ دیتے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ
وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾

[۵۱] اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور کیا یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو! ۴۹؎

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

[۵۲] تو میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو حقیر ہے ۵۰؎، اور اپنی بات کھل کر کہہ بھی نہیں سکتا؟ ۵۱؎

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ
مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

[۵۳] کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے یا فرشتے اس کے ساتھ پرے باندھے ہوئے آئے! ۵۲؎

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾

[۵۴] اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی۔ وہ تھے ہی نافرمان لوگ۔ ۵۳؎

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾

[۵۵] جب انہوں نے ہمارے غضب کو دعوت دی تو ہم نے ان کو سزا دی اور ان سب کو غرق کر دیا۔ ۵۴؎

۴۳؎ باز پرس اس بات کی کہ تم نے قرآن کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

۴۴؎ رسولوں سے پوچھنے کا مطلب ان کی کتابوں اور ان کی تعلیمات میں یہ بات تلاش کرنا ہے کہ کیا واقعی انہوں نے خدائے رحمٰن کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا تھا۔اس کے ثبوت میں کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا اور جب حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے بھی غیر اللہ کی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا تو شرک اور بت پرستی کے لئے کیا بنیاد رہ جاتی ہے؟

یہ اسلوب کہ رسولوں سے پوچھ دیکھو بلاغت کا اسلوب ہے اور یہ اسی مفہوم میں ہے جس مفہوم میں آیت فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (اگر تمہارے درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کے طرف پھیر دو۔سورۂ نساء:۵۹) ظاہر ہے یہاں بھی کتاب وسنت مراد ہیں نہ کہ اللہ کے پاس پہنچ کر اور رسول کے پاس پہنچ کر جب کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے کسی مسئلے کی شرعی حقیقت معلوم کرنا۔

۴۵؎ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے کئی سورتوں میں تفصیل سے گذر چکا۔یہاں اس قصہ کے چند پہلو نمایاں کئے گئے ہیں اور مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ منصب نبوت کے لئے جس کو چن لیتا ہے وہ کوئی متمول اور دنیوی شان وشوکت رکھنے والی شخصیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے اوصاف کے لحاظ سے عظیم شخصیت ہوتی ہے۔موسیٰ کو فرعون کی طرف جو عظیم الشان سلطنت کا مالک تھا رسول بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن ان کے ساتھ کوئی دنیوی شان وشوکت نہیں تھی لہٰذا اگر پیغمبر قرآن کے ساتھ دنیا کا ساز وسامان نہیں ہے تو اس سے ان کی رسالت پر کیا حرف آتا ہے؟

۴۶؎ مراد معجزے ہیں۔

۴۷؎ مراد تنبیہی عذاب ہیں یعنی ایسی آفتیں اور مصیبتیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی تھی کہ موسیٰ اللہ کے رسول ہیں۔اور یہ عذاب اس لئے آتے رہے تا کہ وہ ہوش میں آئیں اور انہیں اپنی غلط روی کا احساس ہو۔

تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۸۷؎ تا ۱۹۲؎۔

۴۸؎ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر غیر سنجیدہ تھے یہ لوگ۔وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کے لئے درخواست بھی کرتے اور ساتھ ہی انہیں جادوگر بھی کہتے۔ان کی نظر میں حضرت موسیٰ کے معجزے محض ان کی جادوگری تھی مگر جو آسمانی آفتیں ان پر نازل ہو رہی تھیں ان سے بچنے کے لئے وہ حضرت موسیٰ کی دعا کو مؤثر خیال کرتے تھے۔اس طرح انہوں نے دو متضاد باتوں کو جمع کر لیا تھا ایک طرف وہ حضرت موسیٰ کو نیک اور اللہ کا مقبول بندہ بھی سمجھتے تھے اور دوسری طرف جادوگر بھی۔

۴۹؎ یہ تھا فرعون کا دعوئے فرعونیت کہ جب میں مصر کا بادشاہ ہوں اور ایسی سلطنت کا مالک ہوں جس میں زمین کو زرخیز کرنے والی نہریں بہتی ہیں تو کون ہے جو مجھ سے بڑا ہو۔حکومت کا یہ گھمنڈ ایسا تھا کہ وہ اپنے رب کو بھول گیا۔

۵۰؎ حضرت موسیٰ کو فرعون نے حقیر خیال کیا محض اس بنا پر کہ ان کے پاس نہ سلطنت تھی اور نہ دولت۔قریش بھی اسی عینک سے نبی ﷺ کو دیکھ رہے تھے۔اور جب ان کی عقل ہی ماری گئی تو ان کو کیا معلوم کہ نبوت کا مقام کتنا بلند ہے۔

۵۱؎ یہ فرعون کا الزام تھا نہ کہ حقیقتِ واقعہ کیونکہ حضرت موسیٰ کی وہ دعا جو انہوں نے نبوت سے سرفراز کئے جانے پر اپنی زبان کی گرہ کھول دینے کے لئے کی تھی مقبول ہوئی تھی اور قرآن نے ان کی جو تقریریں نقل کی ہیں وہ اپنے مدعا میں بالکل واضح ہیں۔معلوم ہوتا ہے فرعون نے پرانی بات کو جبکہ حضرت موسیٰ میں زبان آوری کی کمی تھی دہرا کر ان کے بارے میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

۵۲؎ اس زمانہ میں بادشاہ سونے کے کنگن پہنتے تھے اور ان کے جلو میں فوج رہتی تھی۔اسی کے پیشِ نظر فرعون کا اعتراض یہ تھا کہ اگر واقعی موسیٰ کو

کائنات کے رب نے رسول بنا کر بھیجا ہے تو ان کو شاہی شان وشوکت کیوں نہیں عطا کی گئی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان کے لئے آسمان سے سونے کے کنگن نازل کئے جاتے اور فرشتوں کے پرے ان کے جلو میں ہوتے۔اس نے منصب نبوت کو بادشاہت کی سطح پر رکھا حالانکہ یہ منصب اس سے بدرجہا بلند ہے۔

۵۳۔ یعنی فرعون نے اپنی قوم کو بے وزن سمجھ کر خوب بے وقوف بنایا۔ان کو ایسا مرعوب کیا کہ وہ اپنی عقل سے کام نہ لے سکے اور اس کی پُرفریب باتوں میں آ گئے۔فرعون ان کو بے وقوف بنانے میں اس لئے کامیاب ہوا کہ تھے ہی وہ فاسق لوگ۔اور فاسق لوگ فاسق قیادت ہی کو پسند کرتے ہیں۔

۵۴۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ طٰہٰ نوٹ ۹۳۔

اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب
بھی، لہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ یہی
سیدھی راہ ہے۔ (القرآن)

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

[۵۶] اور ان کو ایسا بنادیا کہ وہ گئے گزرے ہو گئے۔ اور بعد والوں کے لئے نمونہ عبرت بن کر رہ گئے۔ ۵۵؎

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

[۵۷] اور جب ابن مریم کا حال بیان کیا جاتا ہے تو تمہاری قوم کے لوگ شور مچانے لگتے ہیں۔ ۵۶؎

وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾

[۵۸] اور کہتے ہیں ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ یہ بات محض کٹ حجتی کے لئے وہ پیش کرتے ہیں ۵۷؎۔ درحقیقت یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾

[۵۹] وہ تو بس ہمارا ایک بندہ تھا جس کو ہم نے انعام سے نوازا اور بنی اسرائیل کے لئے ایک مثال بنایا۔ ۵۸؎

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

[۶۰] ہم چاہیں تو تمہارے اندر سے فرشتے بنائیں جو زمین میں خلیفہ ہوں۔ ۵۹؎

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾

[۶۱] اور وہ یقیناً قیامت کی بہت بڑی دلیل ہے ۶۰؎، لہٰذا اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو ۶۱؎۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

[۶۲] شیطان تمہیں اس سے روکنے نہ پائے۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾

[۶۳] اور جب عیسیٰؑ واضح نشانیوں کے ساتھ آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں ۶۲؎، اور اس لئے آیا ہوں تاکہ تم پر بعض وہ باتیں واضح کردوں جن کے بارے میں تم اختلاف میں پڑ گئے ہو ۶۳؎۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

[۶۴] اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، لہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ ۶۴؎

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

[۶۵] مگر ان کے مختلف گروہوں نے اختلاف برپا کیا ۶۵؎۔ تو تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا ۶۶؎، ایک دردناک دن کے عذاب سے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

[۶۶] کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر قیامت آجائے اور انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو؟ ۶۷؎

۵۵۔ گزرے ہوئے (سلفاً) یعنی ماضی کی داستان بنا کر رکھ دیا اور بعد والوں کے لئے نمونہ عبرت (مثلاً) بنا دیا کہ ہوشمند لوگ اس واقعہ سے سبق لیں۔

۵۶۔ ابنِ مریم سے مراد جیسا کہ ظاہر ہے عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ ان کو ماں کی طرف منسوب کرنا ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے نیز اس بات پر بھی کہ وہ خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ مریم کے بیٹے تھے۔

قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کو اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے چنانچہ سورۂ مریم میں جو اس سورہ سے پہلے نازل ہوئی تھی ان کی ولادت کے واقعہ کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تاکہ ان کے خدا کا بیٹا ہونے اور معبود ہونے کی بالکل نفی ہو جائے لیکن مشرکین مکہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے اور لوگوں کو یہ کہہ کر ورغلاتے کہ عیسائی تو انہیں اللہ کا بیٹا مانتے ہیں لہٰذا اگر ہم فرشتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تو کیا غلط ہے؟

۵۷۔ یعنی ہم نے تو فرشتوں کو معبود بنایا ہے جبکہ عیسائیوں نے عیسیٰ کو معبود بنایا جو بہر حال انسان تھے۔ لہٰذا ہمارے معبود عیسائیوں کے معبود سے اچھے ہوئے۔ یہ بات وہ محض کٹ حجتی کے لئے پیش کرتے تھے ورنہ ان پر یہ بات اچھی طرح واضح تھی کہ قرآن حضرت عیسیٰ کو نہ اللہ کا بیٹا قرار دیتا ہے اور نہ معبود۔ وہ صراحت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی اللہ کے بندے ہیں اور فرشتے بھی اس کے بندے۔

۵۸۔ یعنی عیسیٰ تھے تو اللہ کے بندے ہی مگر اللہ نے انہیں اپنے خصوصی فضل سے نوازا تھا اس لئے ان سے طرح طرح کے معجزے صادر ہوئے اور ان کا ظہور بنی اسرائیل میں ایک مثالی شخصیت کا ظہور تھا تاکہ ظاہری دینداری کے مقابلہ میں حقیقی دینداری کا اعلیٰ نمونہ ان کے سامنے آئے۔

۵۹۔ یعنی فرشتوں کو اس بنا پر معبود سمجھنا صحیح نہیں کہ وہ انسان سے الگ ایک نوع ہیں۔ وہ الگ نوع ہونے کے باوجود اللہ کی مخلوق ہیں اور اگر اللہ چاہے تو انسانوں میں سے بھی فرشتے پیدا کر سکتا ہے جو زمین میں خلافت کا کام انجام دیں ۔ اللہ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں لہٰذا اس کی کسی مخلوق کو اس کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر معبود بنا لینے کے لئے کوئی وجہ جواز (Justification) نہیں ہے۔

۶۰۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش غیر معمولی طریقہ پر یعنی بغیر باپ کے ہوئی تھی جو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا معجزہ تھا نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو عجیب وغریب معجزے عطاء کئے تھے مثلاً مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونکنا کہ وہ واقعی پرندہ بن جائے۔ پیدائشی کوڑھیوں اور اندھوں کو شفایاب کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔ ان کی یہ معجزات سے بھری ہوئی زندگی اللہ کے کرشمۂ قدرت کا ظہور تھا۔ اس سے اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ قیامت کے آنے اور اس دن مُردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کی جو خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ برحق ہے۔ اصل چیز اللہ کا حکم ہے نہ کہ طبعی قوانین۔ وہ جب چاہے طبعی قوانین کو بدل سکتا ہے اور عالمِ اسباب کو تہ وبالا کر سکتا ہے۔

یہ تو ہے اس آیت کا ابھرا ہوا مفہوم جو کافروں کے لئے حجت ہے لیکن اس کے مفہوم میں قیامت کے قریبی زمانہ میں حضرت عیسیٰ کا نازل ہونا بھی شامل ہے جس کی صراحت حدیث میں ہوئی ہے۔ ان کا دوبارہ دنیا میں آنا اور اسی جسم کے ساتھ آنا جس جسم کے ساتھ وہ ایک طویل عرصہ پہلے دنیا سے اٹھا لئے گئے تھے، ان کا اس یلغار کا مقابلہ کرنا جو دشمنانِ اسلام کی طرف سے پورے عالمِ اسلام پر ہو رہی ہوگی، دجّال کا جو اپنی غیر معمولی قوت کے ساتھ ظاہر ہو کر دنیا کو شر اور فتنہ میں جھونک رہا ہوگا۔ خاتمہ کر دینا، یہود کو صفۂ ہستی سے مٹا دینا اور عیسائیوں کا صلیب کو توڑ کر ان پر صحیح طور سے ایمان لانا اور ملت اسلامیہ کا ملتِ واحدہ اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر اُبھرنا اور اسلام کا دنیا پر چھا جانا دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا انقلاب ہوگا اور یہ انقلاب قیامت کا پیش خیمہ ہوگا کیونکہ حضرت عیسیٰ کا یہ معجزانہ کارنامہ اللہ کی طرف سے انسانیت کے لئے آخری حجت ہوگا۔ اس کے بعد بھی جو لوگ شر پر آمادہ

ہوں گے وہ بدترین لوگ ہوں گے اوران ہی پر قیامت قائم ہوگی۔

اس موقع پر سورۂ نساء کا نوٹ ۲۶۱ پیش نظر رہے۔

۶۱۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوائی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں جو حقائق قرآن میں پیش کئے گئے ہیں ان میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں لہٰذا ان پر یقین رکھو اور یکسوئی کے ساتھ میری پیروی کرو۔

۶۲۔ بنی اسرائیل نے دین کی روح کھودی تھی اور صرف رسمی دینداری کو لے کر بیٹھ گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان پر دین کی حکمتیں واضح کیں یعنی دین کی روح (Spirit) کو نمایاں کیا تاکہ وہ سمجھ لیں کہ حقیقی دینداری کیا ہے۔ موجودہ انجیل میں بھی اس کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

۶۳۔ بنی اسرائیل میں اختلافات تو بہ کثرت پیدا ہوگئے تھے لیکن ان میں سے جو اختلافات بنیادی نوعیت کے تھے اور جن کی بنا پر وہ فرقوں میں بٹ گئے تھے ان کی حقیقت انہوں نے ان پر کھول دی۔ اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ وہ سِرے کو پکڑ لیتے ہیں جس کے بعد گتھیاں خود بخود سلجھنے لگتی ہیں۔

۶۴۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ آلِ عمران نوٹ ۷۶۔

۶۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ مریم نوٹ ۵۵۔

۶۶۔ یعنی شرک اور کفر کیا۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں شرک بھی ہے، کفر بھی اور بہت بڑی ظالمانہ حرکت بھی۔

۶۷۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۲۸۷۔

اے میرے بندو! آج تمہارے لئے نہ کوئی خوف
ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان
لائے تھے اور مسلم (فرمانبردار) بن کر رہے تھے۔
داخل ہوجاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں۔ تمہیں
خوش وخرّم رکھا جائے گا۔ (القرآن)

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧ اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے سوائے متقیوں کے۔٦٨؎

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾

٦٨ اے میرے بندو! آج تمہارے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾

٦٩ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور مسلم (فرمانبردار) بن کر رہے تھے٦٩؎ ۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾

٧٠ داخل ہوجاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں٧٠؎ ۔ تمہیں خوش وخرم رکھا جائے گا۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا
مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾

٧١ ان کے آگے سونے کی طشتریاں اور ساغر گردش کریں گے٧١؎ ۔اور اس میں وہ کچھ ہوگا جو دل کو پسند اور آنکھوں کے لئے لذت بخش ہوگا٧٢؎ ۔اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾

٧٢ یہ وہ جنت ہے جس کے وارث تم، اپنے اعمال کے صلہ میں بنائے گئے ہو۔٧٣؎

لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾

٧٣ تمہارے لئے اس میں بہ کثرت میوے ہونگے جن کو تم کھاؤ گے۔٧٤؎

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾

٧٤ بلاشبہ مجرم٧٥؎ ، ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾

٧٥ ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾

٧٦ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔٧٦؎

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾

٧٧ وہ پکاریں گے اے خازن! تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کردے٧٧؎ ،وہ جواب دیں گے تم کو اسی حال میں رہنا ہے۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾

٧٨ ہم نے تمہارے سامنے حق پیش کیا تھا مگر تم میں سے اکثر لوگوں کو حق ناگوار تھا۔٧٨؎

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾

٧٩ کیا ان لوگوں نے قطعی فیصلہ کرلیا ہے (ایسا ہے) تو ہم بھی قطعی فیصلہ کرلیں گے٧٩؎ ۔

۶۸۔ دنیا میں کافر گمراہوں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں مگر قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے کیونکہ وہ محسوس کریں گے کہ یہ دوستی ان کی گمراہی کا سبب بنی۔ البتہ متقیوں کی باہم دوستی قیامت کے دن بھی برقرار رہے گی کیوں کہ وہ محسوس کریں گے وہ ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے ہیں۔

قرآن کی یہ آیت تنبیہ کرتی ہے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کس شخص کے ساتھ دوستی کر لی ہے اور وہ اس کو کدھر لے جا رہا ہے۔

۶۹۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جنت کی بشارت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لا کر اللہ کے فرمانبردار (مسلم) بن کر رہے یعنی جن کی زندگیوں میں اسلام رچ بس گیا۔

۷۰۔ مراد مؤمن بیویاں ہیں۔ اہل ایمان کے لئے یہ بشارت بھی ہے کہ ان کے ساتھ ان کی مؤمن بیویاں بھی جنت میں داخل ہوں گی۔

۷۱۔ یعنی جنت کے ظروف بھی نہایت اعلیٰ قسم کے ہوں گے۔ اللہ کے خزانہ میں سونے کی کوئی کمی نہیں ہے اس لئے وہ جنتیوں کے لئے ظروف سونے کا بنا دے گا۔ اور جب ساغر سونے کے ہوں گے تو ع

یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی!

۷۲۔ یعنی جنت کا جمال ایسا ہوگا کہ دل کے لئے سرور اور آنکھوں کے لئے لذت بخش۔ جنت کی ہر چیز آرٹ کا ایسا نمونہ پیش کرے گی جو ذوقِ نظر کے لئے نہایت خوب ہوگا۔

۷۳۔ اہل ایمان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے اعمال کے صلہ میں جنت کے وارث (مالک) بنائے گئے ہو تاکہ انہیں اس بات سے مسرت ہو کہ ہماری کوششیں مقبول ہوئیں اور ہمیں اپنی محنت کا پھل ملا۔

۷۴۔ جنت کی خوشخبری دیتے ہوئے میووں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ میوے ایک لطیف اور لذیذ غذا ہے نیز فرحت بخش بھی۔

۷۵۔ مراد کافر و مشرک ہیں۔

۷۶۔ یعنی کافروں کے لئے اتنی سخت سزا اللہ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ اس کے عدل کا تقاضا ہوگا۔ قانونِ قدرت یہی ہے کہ جو آگ میں کود پڑتا ہے آگ اسے جلا دیتی ہے اور جو زہر کھاتا ہے اپنی زندگی کو ختم کر دیتا ہے۔

۷۷۔ یعنی ہمارا وجود ہی نہ رہے تو بہتر ہے۔

۷۸۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دوزخیوں کو جواب ہوگا کہ ہم نے جب اپنے رسولوں کے ذریعہ حق تمہارے سامنے پیش کیا تھا تو تم کو اس کا سننا بھی گوارا نہ تھا۔ اب انکارِ حق کی سزا بھگتو۔

۷۹۔ یعنی ان لوگوں نے اگر انکارِ حق کا آخری طور سے فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی انہیں سزا دینے کا قطعی فیصلہ کر لیں گے۔

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ
يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

۸۰ کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی راز کی باتوں اوران
کی سرگوشیوں کو سنتے نہیں ہیں ۸۰؎؟ ہم ضرور سن رہے ہیں اور
ہمارے فرستادے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔۸۱؎

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾

۸۱ کہو اگر رحمٰن کے کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلا عبادت
کرنے والا میں ہوں۔ ۸۲؎

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾

۸۲ پاک ہے آسمانوں اورزمین کا رب، عرش کا مالک ان باتوں
سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ ۸۳؎

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ
الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾

۸۳ تو ان کو چھوڑ دو کہ بحث میں الجھے رہیں اور کھیل میں مشغول
رہیں، یہاں تک کہ اس دن کو دیکھ لیں جس سے ان کو ڈرایا جارہا
ہے۔ ۸۴؎

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ
الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾

۸۴ وہی آسمان میں بھی الٰہ (خدا) ہے اورزمین میں بھی الٰہ۔
اور وہی حکمت والا علم والا ہے۔

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾

۸۵ بڑا بابرکت ہے وہ جس کے قبضہ میں آسمانوں اورزمین اوران
کے درمیان کی تمام چیزوں کی بادشاہی ہے۔اسی کے پاس قیامت کی
گھڑی کا علم ہے اوراسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ
شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

۸۶ اس کو چھوڑ کر یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں
رکھتے مگر وہ جو علم کی بنا پر حق کی گواہی دیں گے۔ ۸۵؎

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ
يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾

۸۷ اگر تم ان سے پوچھو انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو کہیں گے اللہ
نے۔ پھر یہ کس طرح فریب میں آتے ہیں، ۸۶؎

وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

۸۸ اور اس کی (یعنی رسول کی) یہ فریاد کہ اے میرے رب! یہ وہ
لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ ۸۷؎

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

۸۹ تو ان سے درگذر کرو اور کہو سلام ۸۸؎ عنقریب انہیں معلوم
ہوجائے گا۔ ۸۹؎

۸۰۔ اشارہ ہے ان خفیہ سازشوں کی طرف جو اسلام اور اس کے پیغمبر کے خلاف کی جا رہی تھیں۔

۸۱۔ یعنی اللہ تو خفیہ سے خفیہ بات کو جانتا اور سنتا ہی ہے ساتھ ہی اس نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ فرشتے ان باتوں کا ریکارڈ تیار کریں تا کہ قیامت کے دن وہ شہادت کا کام دے سکے۔

۸۲۔ یعنی بالفرض خدا کی کوئی اولاد ہوتی تو میں کس طرح انکار کر سکتا تھا جب کہ میں اس کی عبادت میں پہل کرنے والا اور سب سے آگے رہنے والا ہوں۔ تمہیں سوچنا چاہئے کہ ایک ایسا شخص جو اللہ کی عبادت میں مخلص بھی ہے اور سب سے زیادہ سرگرم بھی وہ آخر اللہ کے لئے اولاد ہونے سے کیوں انکار کرتا ہے۔

فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ کا مطلب ہمارے نزدیک یہی ہے کہ ''تو میں سب سے پہلے اللہ کی عبادت کرنے والا ہوں'' میں اس سے انکار کیوں کرنے لگتا۔ آیت کی لغوی ترکیب کے لحاظ سے جملہ شرطیہ ہے اور جواب شرط میں۔ یہ الفاظ کہ میں اس کا انکار کیسے کرتا، محذوف ہیں مگر فحوائے کلام سے واضح ہیں۔ اس کی مثال سورۂ یونس کی یہ آیت ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ۔

(یونس۔۱۰۴)

''کہو اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو تو (سن لو) میں ان کی پرستش نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو بلکہ میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو وفات دیتا ہے۔''

اس آیت میں بھی جواب شرط میں ''سن لو'' یا اس طرح کے اور الفاظ محذوف ہیں جو قرینہ کی بنا پر واضح ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت زیرِ بحث میں اللہ کے لئے اولاد نہ ہونے کی جو بات فرض (Suppose) کر کے کہی گئی ہے وہ اس کی تردید کا ایک حکیمانہ اسلوب ہے۔ کسی بات کی تردید کی غرض سے یہ کہنا کہ بفرض محال یہ بات صحیح ہوتی اس کے ممکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اس کی مثال سورۂ انبیاء کی یہ آیت ہے۔

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا۔ (سورۂ انبیاء :۲۱) ''اگر ان میں اللہ کے سوا اور خدا بھی ہوتے تو یہ درہم برہم ہو کر رہ جاتے''۔

اس آیت میں بھی جو بات فرض (Suppose) کر کے کہی گئی ہے وہ مشرکین کے دعوے کی تردید کیلئے ہے۔ اور اس سے ایک سے زائد خداؤں کے وجود کا کوئی امکان ثابت نہیں ہوتا۔

۸۳۔ یعنی اللہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں ہیں اور اس کے لئے اولاد کا تصور ہرگز اس کے شایانِ شان نہیں۔

۸۴۔ یعنی یہ لوگ جب ان باتوں کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور بحث میں الجھنا اور اللہ کی آیتوں سے کھیلنا ہی چاہتے ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ قیامت کے دن ان کو پتہ چلے گا کہ انہوں نے کتنا غلط موقف اختیار کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں ان کو کیسا کچھ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

۸۵۔ یعنی شفاعت کا اختیار تو کسی کو نہیں، البتہ اللہ جن کو اجازت دے گا وہ شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت اندھا دھند نہیں ہوگی بلکہ علم کی بنیاد پر ہوگی اور حق بات ہی وہ پیش کریں گے۔ جہاں تک مشرکوں اور کافروں کا تعلق ہے ان کے لئے کوئی بھی سفارش نہیں کرے گا نہ فرشتے اور نہ انبیاء کیونکہ ان کیلئے شفاعت ممنوع ہوگی۔ رہے دوسرے گنہگار بندے تو ان میں سے بھی کسی کے بارے میں شفاعت کرنے سے پہلے وہ یہ معلوم کریں گے کہ وہ اللہ کے نزدیک شفاعت کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر وہ مستحق ہے تو سفارش کریں گے ورنہ نہیں۔ لہٰذا غلط کار لوگوں کا شفاعت پر تکیہ کرنا صحیح نہیں۔ اصل چیز

عمل ہے جس کا بدلہ ہر شخص کو ملنا ہے۔لہٰذا اپنے عمل کو درست کرنے کی فکر کرنا چاہئے۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ مریم نوٹ ۱۱۱۔

۸۶۔ یعنی یہ لوگ شیطان کے ورغلانے میں کس طرح آتے ہیں کہ فرشتے اللہ کے حضور شفاعت کے لئے وسیلہ ہیں لہٰذا ان کی عبادت کرو۔وہ تمہاری عبادت سے خوش ہو کر اللہ کے حضور تمہارے لئے سفارش کریں گے اور تمہیں ہر طرح کے عذاب اور مصیبت سے نجات دلا کر رہیں گے۔شفاعت کا یہ تصور ہی ہے جس نے فرشتوں کے معبود ہونے کا اعتقاد پیدا کر دیا ہے ورنہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ خالق اللہ ہی ہے اور جب خالق اللہ ہی ہے تو معبود بھی وہی ہے فرشتے جب خالق نہیں ہیں تو معبود کیسے ہوئے؟

۸۷۔ یہ ہٹ دھرم لوگوں کے بارے میں نبی ﷺ کی اپنے رب سے فریاد ہے کہ یہ لوگ گمراہی میں اتنے دور نکل گئے ہیں کہ قرآن کی واضح حجتیں بھی ان پر اثر انداز نہیں ہو رہی ہیں اور انہیں اس بات پر اصرار ہے کہ ایمان نہیں لائیں گے۔

فحوائے کلام سے واضح ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کی یہ فریاد سن لی اور اب ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جس کی ہدایت آگے دی جا رہی ہے۔

(نحوی لحاظ سے ہمارے نزدیک آیت میں واو کے بعد لَقَدْ سَمِعْنَا (ہم نے سن لی) محذوف ہے اور قِيْلِهٖ میں لام کا زیر زبر کی جگہ ہے اور اس قسم کا تغیر بعض مواقع پر کلام میں روانی اور آہنگ پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے جس کی مثال سورۂ فتح آیت ۱۰ میں عَلَيْهُ اللّٰه میں ضمیرہٗ کا پیش ہے۔)

۸۸۔ یہ سلام تحیہ کے طور پر نہیں ہے جو مسلمانوں کے باہمی ملاقات کے لئے شعار کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ کٹ حجتی کرنے والوں سے ان پر حجت قائم کرنے کے بعد خوبصورتی کے ساتھ ان سے رخصت ہونے کا سلام ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی تمہاری فریاد ہم نے سن لی۔یہ نہیں مانتے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ان سے درگذر کرو اور سلام کہہ کر خوبصورتی کے ساتھ ان سے رخصت ہو جاؤ۔

۸۹۔ یعنی عنقریب وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

# ۴۴۔الدخان

**نام** آیت ۱۰ میں آسمان سے دخان (دھوئیں) کے نکلنے کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ’’الدخان‘‘ ہے۔

**زمانۂ نزول** مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ زخرف کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔

**مرکزی مضمون** قرآن کی قدر نہ کرنے والوں اور پیغمبرِ قرآن کا انکار کرنے والوں کو، اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

**نظمِ کلام** آیت ۱ تا ۶ میں قرآن کی قدرو منزلت بیان کی گئی ہے۔

آیت ۷ اور ۸ میں قرآن نازل کرنے والے کی معرفت بخشی گئی ہے۔

آیت ۹ تا ۳۳ میں قومِ فرعون کی تباہی اور بنی اسرائیل کی سرفرازی کو ایک تاریخی ،مثال کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ رسول کی مخالفت کرنے والے کس انجام کو پہنچے، اور اس کی پیروی کرنے والے کس طرح سرخرو ہوئے۔

آیت ۳۴ تا ۵۷ میں دوسری زندگی کا انکار کرنے والوں، اور اس پر یقین رکھ کر تقویٰ کی زندگی گذارنے والوں کا، الگ الگ انجام بیان کیا گیا ہے، جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گا۔

آیت ۵۸ اور ۵۹ سورہ کے خاتمہ کی آیتیں ہیں، جن میں قرآن کی قدر نہ کرنے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔یعنی جس مضمون سے سورہ کا آغاز ہوا تھا اسی پر اس کو ختم کردیا گیا ہے۔

سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾

وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ ﴿۲﴾

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾

فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ ﴿۴﴾

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۚ ﴿۵﴾

رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۙ ﴿۶﴾

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ﴿۷﴾

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾

بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾

فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۙ۱۰﴾

یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ ہٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

رَبَّنَا اکۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾

اَنّٰی لَہُمُ الذِّکۡرٰی وَ قَدۡ جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ۙ۱۳﴾

ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡہُ وَ قَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿ۘ۱۴﴾

## ۴۴۔ سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ

آیات : ۵۹

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ حا۔میم۔ ا۔

۲ قسم ہے روشن کتاب کی۔ ۲۔

۳ ہم نے اسے ایک مبارک شب میں نازل کیا ۳۔ یقیناً ہم لوگوں کو خبردار کرنے والے تھے۔ ۴۔

۴ اس شب میں ہر قسم کے حکیمانہ امور طے کئے جا رہے تھے، ۵۔

۵ ہماری طرف سے ایک فرمان کے حیثیت سے ۶۔ یقیناً ہم رسول بھیجنے والے تھے۔ ۷۔

۶ تمہارے رب کی رحمت کے طور پر ۸۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے، ۹۔

۷ آسمانوں اور زمین کا، نیز ان کے درمیان کی تمام موجودات کا رب۔ اگر تم کو یقین کرنا ہے۔ ۱۰۔

۸ اس کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں۔ وہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ تمہارا رب اور تمہارے گزرے ہوئے آباء واجداد کا رب۔

۹ مگر یہ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ ۱۱۔

۱۰ تو انتظار کرو اس دن کا جب آسمان سے کھلا ہوا دھواں نمودار ہوگا، ۱۲۔

۱۱ جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ہے دردناک عذاب۔

۱۲ اے ہمارے رب! ہم سے عذاب دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں۔

۱۳ اب ان کے لئے نصیحت حاصل کرنے کا کیا موقع رہا جب کہ ان کے پاس رسول آشکارا طور پر آ گیا تھا۔ ۱۳۔

۱۴ لیکن انہوں نے اس سے روگردانی کی تھی اور کہا تھا یہ تو ایک سکھایا پڑھایا خبطی ہے۔ ۱۴۔

۱؎ ان حروف کی تشریح سورۂ مؤمن نوٹ ۱؎ میں گزرچکی۔

اس سورہ کی آیت ۴ میں اللہ کے حکیمانہ فیصلوں کا ذکر ہوا ہے اوران حروف کا اشارہ اسی مضمون (امر حکیم) کی طرف ہے۔اوراللہ کے حکیمانہ فیصلے اس کے 'حکیم' (حکمت والا) ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

۲؎ اس کی تشریح سورۂ زخرف نوٹ ۲؎ میں گذرچکی۔

۳؎ یعنی ہدایت کی روشنی رات کی تاریکی میں نمودار ہوئی۔گویا وہ جہالت کی تاریکیوں کو چیرتے ہوئے نمودار ہوئی تھی اوروہ گھڑی بڑی خیروبرکت اورسعادت کی گھڑی تھی جب نزولِ قرآن کا آغاز ہوا کیونکہ نزول قرآن سے خیر کے چشمے پھوٹ پڑے اورروحانی برکتوں سے فضا معمور ہوئی۔یہ شب اپنے اسی وصف کی بنا پر کہ اس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا مبارک شب اورقدرومنزلت والی شب (لیلۃ القدر) قرار پائی۔عام طور سے مفسرین نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ یہ مبارک شب اورلیلۃ القدر پہلے سے ایک ممتاز اورفضیلت والی شب تھی جس کونزول قرآن کے لئے منتخب کیا گیا مگراس کی تائید میں نہ قرآن کی کوئی دلیل ہے اورنہ کوئی صحیح حدیث۔حضرت موسیٰ کونبوت سے سرفراز کرتے وقت جس جگہ سے اللہ تعالیٰ نے پکارا تھا اسے **البقعة المبارکة** (مبارک خطہ،سورۂ قصص:۳۰) کہا گیا ہے۔ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ خطہ پہلے سے مبارک چلا آرہا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس خطہ کوندائے الٰہی کے لئے منتخب کئے جانے کا شرف حاصل ہورہا ہے اسلئے یہ خطہ مبارک قرار پایا۔اسی طرح قرآن کومبارک شب میں نازل کرنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ یہ شب نزول قرآن کی برکتوں کی وجہ سے مبارک قرار پائی ہے۔(دیکھئے سورۂ قدر نوٹ ۲؎)

یہ وہی شب ہے جسے سورہ قدر میں لیلۃ القدر سے تعبیر کیا گیا ہے اورقرآن کے نزول کا آغاز رمضان میں ہوا تھا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ۔(بقرہ: ۱۸۵) ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

اس لئے یہ مبارک شب رمضان کی ایک شب تھی اورحدیث کی صراحت کے مطابق یہ رمضان کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے۔بعض مفسرین نے ''مبارک رات'' سے مراد شعبان کی پندرہویں شب لی ہے جسے 'شبِ برأت' کہا جاتا ہے مگر یہ تاویل قرآن کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے اس لئے یہ قول قابل رد ہے۔علامہ ابن کثیر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جنہوں نے کہا یہ نصف شعبان کی شب ہے جیسا کہ عکرمہ سے مروی ہے تو انہوں نے بہت دور کی بات کہی کیونکہ قرآن صراحت کرتا ہے کہ وہ رمضان کی رات ہے۔رہی وہ حدیث جوعبداللہ بن صالح نے لیث عقیل اورزہری کے واسطہ سے عثمان بن محمد بن نصیر الاخنس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اجل پوری ہوجانے (یعنی موت) کا فیصلہ شعبان سے شعبان تک کے لئے کیا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص نکاح کرلیتا ہے اوراسے اولاد ہونے والی ہوتی ہے مگراس کا نام مُردوں میں شامل ہوچکا ہوتا ہے۔تو یہ حدیث مرسل ہے (یعنی تابعی نے صحابی کے واسطہ کے بغیر نبی ﷺ کی طرف منسوب کی ہے) اوراس قسم کی روایتیں نصوص (قرآن کی تصریحات) کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتیں''۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۳۷)

اصل میں شب برأت (شعبان کی پندرہویں شب) کی فضیلت نہ قرآن سے ثابت ہے اورنہ حدیث سے۔جو روایتیں اس کی فضیلت میں پیش کی جاتی ہیں وہ یا توضعیف ہیں یا موضوع۔ایسی روایتوں سے دین میں حجت قائم نہیں ہوتی۔اگر شب برأت کی کوئی اصل ہوتی تو یہ بات صحابہ کرام میں مشہور ہوتی اوراس کو بیان کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی مگر عجیب بات یہ ہے کہ اتنی اہم بات کونقل کرنے والے یا توضعیف راوی ہیں یا وہ جنہوں نے فضائل کے سلسلہ میں حدیثیں گڑھنے کا کارخانہ کھول رکھا تھا۔

۴۔ یعنی غفلت میں پڑی ہوئی اور اپنے انجام سے بے خبر انسانیت کو چونکا دینا اور خبردار کرنا وہ اہم ترین مقصد ہے جس کے لئے قرآن کا نزول ہوا۔

۵۔ یعنی اس شب میں نہایت اہم اور حکیمانہ فیصلے کئے گئے مثلاً حضرت محمد ﷺ کو نبوت سے سرفراز کرنے کا فیصلہ، ایک معجزانہ کتاب عطا کرنے کا فیصلہ، اس کتاب کی حفاظت کا فیصلہ، دین کی تکمیل اور اس کو غالب کرنے کا فیصلہ، امت مسلمہ کو برپا کرنے، اس کو امامت کے منصب پر مامور کرنے اور خانہ کعبہ کو اس کی تولیت میں دینے کا فیصلہ، اس کے ذریعہ دنیا میں عالمگیر دینی انقلاب برپا کرنے کا فیصلہ، اور جنت کے لئے ان لوگوں کے انتخاب کا فیصلہ جو چمن انسانیت کے گلِ سرسبد ہوں۔ یہ اور اس طرح کے فیصلے اللہ کی حکیمانہ شان کے مظہر تھے۔

۶۔ یعنی قرآن کا نزول فرمانروائے کائنات کی طرف سے ایک واجب الاطاعت فرمان (Decree) کی حیثیت سے ہوا ہے جس سے انکار کی صورت میں سزا لازمی ہے کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس کتاب کو ماننا اور نہ ماننا یکساں ہے۔

۷۔ یعنی ہمارا یہ فیصلہ تھا کہ ایک رسول بھیجنا ہے اس لئے ہم نے رسالت کے لئے محمد ﷺ کا انتخاب کر کے ان پر وحی نازل کی۔

۸۔ یعنی یہ کتاب تمہارے رب کی طرف سے رحمت بن کر نازل ہوئی ہے۔ اسے اپنے لئے مصیبت نہ سمجھو۔ اگر قبول کرو گے تو تم پر اس کی رحمتوں کی بارش ہوگی۔

۹۔ اللہ کی ان دو صفتوں کا یہاں ذکر اس بات سے آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ اس مہتم بالشان کتاب کے بارے میں کون کیا کہتا ہے اس کو وہ سن لے گا اور اس کے ساتھ کون کیا سلوک کرتا ہے اس کو دیکھ لے گا۔

۱۰۔ یعنی اللہ کا کائنات کا رب ہونا ایک حقیقت ہے مگر تمہیں اس کا یقین نہیں۔ اگر تمہیں اس کا یقین ہوتا تو غیر اللہ کو معبود نہ بناتے۔

۱۱۔ یعنی خدا کے بارے میں وہ طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہیں اور جو حقیقتیں پیش کی جارہی ہیں ان پر وہ سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

۱۲۔ مراد قیامت کا دھواں ہے جو کافروں پر چھا جائے گا جیسا کہ بعد کی آیتوں سے واضح ہے۔ مگر بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جو مکہ میں لوگوں کو قحط کی سخت تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے آسمان پر دکھائی دے رہا تھا۔ عام طور سے مفسرین اس آیت کی تفسیر میں یہی قول پیش کرتے ہیں مگر علامہ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن نے جو 'دُخان مبین' کہا ہے تو اس کے معنی کھلے ہوئے اور واضح دھوئیں کے ہیں جس کو ہر شخص دیکھ سکے گا۔ مگر عبداللہ بن مسعود کی تفسیر کی رو سے دھواں محض خیالی تھا جو بھوک کی شدت سے لوگوں کو دکھائی دے رہا تھا۔ اور اگر واقعی یہ محض خیالی دھواں ہوتا تو قرآن یہ نہ کہتا کہ ''وہ لوگوں پر چھا جائے گا۔'' (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۳۹)

ہم سمجھتے ہیں کسی روایت کے پیش نظر قرآن کی کسی آیت کی ایسی تاویل کرنا جو اس کے ظاہری پہلو اور اس کے مضمون سے مطابقت نہ رکھتی ہو صحیح نہیں۔ البتہ روایت کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ روایت نقل کرنے میں راویوں سے سہو ہوا ہے۔ اور جہاں تک قیامت کے دن کافروں پر دھواں چھوڑے جانے کا تعلق ہے سورۂ رحمٰن میں بھی اس کا ذکر ہوا ہے۔

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ۔ (رحمٰن: ۳۵) ''تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا تو تم اپنی مدافعت نہ کرسکو گے۔''

رہی وہ حدیث جس میں قربِ قیامت میں دخان (دھوئیں) کے ظاہر ہونے کی پیشین گوئی کی گئی ہے (مسلم کتاب الفتن) تو وہ دوسرا دھواں ہے جو قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور حدیث میں اس دھوئیں کو اس آیت کی تفسیر نہیں قرار دیا گیا ہے۔

۱۳۔ نصیحت حاصل کرنے کا موقع ظاہر ہے قیامت کے دن باقی ہی نہیں رہے گا اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ قرآن جس دھوئیں کے عذاب کا ذکر کر رہا ہے وہ قیامت کے دن کا دھواں ہے۔

۱۴۔ کافروں کا یہ الزام بالکل بے بنیاد تھا۔ اگر پیغمبر کے بارے میں واقعی وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ کوئی شخص انہیں سکھا پڑھا رہا ہے تو انہوں نے اس شخص کی نشاندہی کیوں نہیں کی؟ اور وہ شخص آخر کیسا تھا جو اخیر وقت تک چھپا رہا اور یہ ظاہر نہیں کیا کہ اس عظیم کتاب کا مصنف میں ہوں؟ رہا خبطی ہونے کا الزام تو قرآن کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس میں کتنی صداقت ہے۔ یہ کسی دیوانہ کی بڑ ہے یا حکیمانہ کلام؟

إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾

۱۵ ہم کچھ دیر کیلئے عذاب کو دور کر بھی دیں تو تم وہی کرو گے جو پہلے کر رہے تھے۔۱۵؎

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

۱۶ جس دن ہم بڑی پکڑ میں لیں گے ۱۶؎، اس دن ہم سزا دے کر رہیں گے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾

۱۷ ہم نے ۱۷؎، اس سے پہلے قوم فرعون کو آزمائش میں ڈالا تھا ۱۸؎۔ ان کے پاس ایک معزز رسول آیا،

أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾

۱۸ کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کرو ۱۹؎۔ میں تمہارے لئے ایک امانتدار رسول ہوں۔۲۰؎

وَأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾

۱۹ اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے سامنے کھلی حجت پیش کرتا ہوں۔۲۱؎

وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾

۲۰ اور میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگی اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔۲۲؎

وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾

۲۱ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھے چھوڑ دو۔۲۳؎

فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾

۲۲ بالآخر اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔۲۴؎

فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳ (حکم ہوا) میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ ۲۵؎۔ تم لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا۔۲۶؎

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾

۲۴ اور سمندر کو ساکن چھوڑ دو۔ یہ لوگ ڈوب جانے والا لشکر ہیں۔۲۷؎

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾

۲۵ انہوں نے کتنے ہی باغ اور چشمے چھوڑے،

وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾

۲۶ اور کھیت اور عمدہ ٹھکانے،

وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾

۲۷ اور سامانِ عیش جس میں وہ مزے کر رہے تھے،۲۸؎

كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾

۲۸ اس طرح ہم نے ان کے ساتھ معاملہ کیا۔ اور ان چیزوں کا وارث ہم نے دوسروں کو بنایا۔۲۹؎

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٩﴾

۲۹ تو نہ آسمان ان پر رویا اور نہ زمین ۳۰؎، اور نہ ان کو کوئی مہلت دی گئی۔

۱۵۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسی سورۂ انعام آیت ۲۸ میں ارشاد ہوئی ہے۔

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔

''اگر انہیں (دنیا کی طرف) واپس بھیج دیا جائے تو وہ پھر وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔''

۱۶۔ مراد قیامت کے دن کی پکڑ ہے۔ اور اس کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو طبری نے ان سے نقل کی ہے:

''عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ابن مسعود کہتے ہیں البطشۃ الکبریٰ سے مراد یوم بدر ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ مراد قیامت کا دن ہے۔'' (تفسیر طبری ج ۲۵ ص ۷۰)

۱۷۔ قومِ فرعون کا قصّہ اس سے پہلے متعدد مقامات پر گزر چکا۔ یہاں اس کے چند پہلو حالات کی مناسبت سے پیش کئے گئے ہیں۔

۱۸۔ آزمائش اس بات کی کہ اقتدار پا کر تم کمزوروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو نیز اس بات کی کہ اللہ کی طرف سے رسول آجانے اور معجزات کو دیکھ لینے کے بعد تم اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے ہو۔

۱۹۔ یعنی بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو کہ مصر سے چلے جائیں۔ وہ اللہ کے بندے ہیں نہ کہ فرعون کے بندے، اور اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو تم میرے حوالہ کردو تاکہ انہیں اللہ کے احکام کی تعمیل کے لئے آزادانہ ماحول میسر آئے۔

۲۰۔ امانت دار رسول ہوں یعنی اللہ کا پیغام اور اس کے احکام ٹھیک ٹھیک تمہیں پہنچا رہا ہوں میرے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ میں کوئی بات اپنی طرف سے اللہ کی طرف منسوب کر کے بیان کروں گا۔

۲۱۔ یعنی اپنے رسول ہونے کی حجت۔ مراد معجزہ ہے۔

۲۲۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قومِ فرعون نے حضرت موسیٰ کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے کس عزم اور حوصلہ کا ثبوت دیا تھا۔

اس آیت میں یہ رہنمائی بھی ہے کہ ایک مؤمن کو جب دشمن کی طرف سے شدید خطرہ لاحق ہو تو وہ اس شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔

۲۳۔ یعنی اگر میری بات تم نہیں ماننا چاہتے تو نہ مانو لیکن میری راہ نہ روکو بلکہ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ مگر اتنی معقول بات بھی فرعون اور اس کی قوم کے لئے قابلِ قبول نہیں ہوئی اور وہ حضرت موسیٰ کے خلاف کارروائی کرتے رہے۔

۲۴۔ یہ دعا حضرت موسیٰ نے اس وقت کی جب کہ وہ اصلاح کی مسلسل کوششوں کے بعد ان لوگوں کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے اور انہیں یقین ہو گیا تھا یہ لوگ اب ایمان لانے والے نہیں۔

۲۵۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ قومِ فرعون کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا ہے لہٰذا تم میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ۔

۲۶۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ شعراء نوٹ ۴۹۔

۲۷۔ حضرت موسیٰ کے سمندر پر لاٹھی مارنے سے وہ پھٹ گیا تھا اور بنی اسرائیل کے لئے معجزانہ طور پر راستہ بن گیا تھا تاکہ وہ سمندر کو عبور کر سکیں۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ کو ہدایت ہوئی کہ وہ جب بنی اسرائیل کے ساتھ سمندر عبور کر چکیں تو اس کو اسی حال میں رہنے دیں کیونکہ اللہ کا منصوبہ یہ ہے

بقیہ صفحہ ۴۲۸ پر

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾

۳۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات دی،

مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ فرعون سے ۳۱؎۔ جو حد سے گزر جانے والے لوگوں میں سے تھا ۳۲؎۔ اور بڑا ہی سرکش تھا۔ ۳۳؎

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲ اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل) کو جانتے ہوئے دنیا والوں پر ترجیح دی ۔ ۳۴؎

وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

۳۳ اور انہیں ایسی نشانیاں عطا کیں جن میں کھلی آزمائش تھی۔ ۳۵؎

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ یہ لوگ ۳۶؎، بڑے وثوق سے کہتے ہیں،

اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ کہ بس یہ ہماری پہلی موت ہے ۳۷؎۔ اور اس کے بعد ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہمارے باپ دادا کو۔ ۳۸؎

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ (قوت وشوکت میں) یہ لوگ بہتر ہیں یا قومِ تبع ۳۹؎، اور وہ قومیں جو ان سے پہلے گزریں ۴۰؎ ۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا وہ بڑے مجرم تھے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸ ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے ۴۱؎ ۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ ہم نے ان کو (مقصدِ) حق کے ساتھ پیدا کیا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۴۲؎

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰ فیصلہ کا دن ۴۳؎، ان سب کے لئے وقتِ مقرر ہے،

يَوْمَ لَا يُغْنِىْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱ جس دن کوئی قریبی عزیز کسی قریبی عزیز کے کام نہ آئے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾

۴۲ سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کرے ۴۴؎ ۔ یقیناً وہ بڑا زبردست رحم فرمانے والا ہے۔ ۴۵؎

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾

۴۳ بلا شبہ زقوم کا درخت، ۴۶؎

طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾

۴۴ گنہگاروں کا کھانا ہوگا۔ ۴۷؎

كَالْمُهْلِ ۛ يَغْلِىْ فِى الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾

۴۵ گویا پگھلی ہوئی دھات۔ وہ پیٹ میں کھولے گا۔ ۴۸؎

۳۱۔ یعنی فرعون بنی اسرائیل کے لئے عذاب بن کر رہ گیا تھا، اور عذاب بھی ایسا جو ذلیل کر دینے والا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو ایک مؤمن گروہ تھا فضل فرمایا اور فرعون کی گرفت سے انہیں آزاد کر دیا۔

اس واقعہ میں اہل ایمان کے لئے یہ سبق ہے کہ اگر وہ کسی وجہ سے ظالمانہ اقتدار کی گرفت میں آ گئے ہوں تو صبر و استقامت کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے نجات کی راہ کھول دے گا۔

۳۲۔ یعنی اخلاقی حدود سے گزرنے والا تھا۔ بالفاظ دیگر بداخلاق، بداطوار اور ظالم تھا۔

۳۳۔ یعنی جہاں وہ بندوں کے حق میں ظالم تھا وہاں وہ اللہ کا نافرمان اور باغی بھی تھا۔

۳۴۔ یعنی دنیا والوں کی دینی رہنمائی اور قیادت کے لئے بنی اسرائیل کا جو انتخاب کیا تو وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بنا پر کیا تھا۔ یعنی اس کو بنی اسرائیل کی صلاحیت کار وغیرہ کا علم تھا اور اقوام عالم میں سے اس قوم کا انتخاب موزوں ترین انتخاب تھا۔

۳۵۔ مراد وہ معجزے ہیں جو بنی اسرائیل کے لئے انعام کی حیثیت رکھتے تھے مثلاً ان کے لئے سمندر کا پھٹ جانا، صحرا میں بادلوں کا سایہ فگن ہونا، چشموں کا بہہ پڑنا، من وسلویٰ کا نزول وغیرہ مگر اس میں ان کے صبر و استقامت کا امتحان بھی تھا۔

۳۶۔ مراد مشرکین مکہ ہیں۔

۳۷۔ یعنی پہلی بار جو موت آئے گی وہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے۔ اس کے بعد زندگی اور موت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

۳۸۔ یعنی اگر دوسری زندگی کی کوئی حقیقت ہے تو اس کے ثبوت میں گزرے ہوئے لوگوں کو زندہ کر دکھاؤ۔ جب ہم اپنی آنکھوں سے گزرے ہوئے لوگوں کو اپنے سامنے زندہ دیکھ لیں گے تو دوسری زندگی پر یقین کریں گے۔

ان کا یہ مطالبہ بڑی نادانی کی بات تھی کیونکہ جس چیز کا علم انسان کو تجربہ کے ذریعہ ہو گیا وہ چیز نہ غیب کی رہ جاتی ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر امتحان کہاں باقی رہا جبکہ یہ زندگی سراسر امتحان کی زندگی ہے۔

۳۹۔ تبّع یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا جو قوم سبا کے ایک قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا زمانہ قبلِ مسیح رہا ہے۔

"کتبات میں ملوکِ معین وسبا کے عہد میں یعنی کم از کم ہزار سال قبلِ مسیح میں لفظ تبّع نظر آتا ہے۔" (ارض القرآن ج ۱ ص ۲۹۳)

ان کے زمانہ کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا مشکل ہے اور ان کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے بھی کوئی مستند ذریعہ نہیں ہے۔ البتہ سورۂ ق آیت ۱۴ سے واضح ہوتا ہے کہ قوم تبّع کی طرف بھی رسول بھیجا گیا تھا جس کو اس نے جھٹلایا اور بالآخر عذاب سے دوچار ہوئی۔

۴۰۔ یعنی عاد، ثمود جیسی گمراہ قومیں۔

۴۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انبیاء نوٹ ۱۶۔

۴۲۔ یعنی اس کائنات کے پیدا کرنے کا ایک مقصد اور ایک غایت ہے اور وہ ہے جزاء و سزاء کا معاملہ اور انسانیت کے جوہر کو چھانٹ کر اسے ابدی کامیابی اور جنت کی لازوال نعمتوں سے سرفراز کرنا۔ مگر اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مقصدِ وجود ہی سے بے خبر ہیں اور انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ اپنی زندگی کی غایت معلوم کریں۔

۴۳۔ یعنی قیامت کا دن۔

۴۴۔ قیامت کے دن نہ رشتے ناطے کام آئیں گے اور نہ دوستی، بلکہ نجات کا معاملہ اللہ کے رحم وکرم پر موقوف ہوگا اور اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ کافروں

پر رحم نہیں فرمائے گا اس لئے کوئی شخص کفر کرتے ہوئے اللہ سے رحم کی امید نہ رکھے۔

۴۵۔ اللہ بڑا زبردست ہے اس لئے جس کو وہ اپنے عذاب کی گرفت میں لینا چاہے وہ اس سے بچ نہیں سکتا، اور وہ رحیم ہے اس لئے جس پر وہ رحم کرنا چاہے تو کوئی نہیں جو اس کو رحم کرنے سے روک سکے۔

۴۶۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ صافات نوٹ ۵۱۔

۴۷۔ مراد کافر ہیں جیسا کہ آگے آیت ۵۰ سے واضح ہے۔

۴۸۔ یعنی زقوم کھانے کے بعد ان کا حال ایسا ہوگا جیسے پیٹ میں پگھلی ہوئی دھات ابل رہی ہو۔

بقیہ صفحہ ۴۲۵ سے آگے

کہ فرعون راہ کھلی دیکھ کر اپنے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہو اور جب بیچ سمندر کے پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ سمندر کے دونوں حصوں کو ملا دے اور یہ سب غرق ہو جائیں۔

۲۸۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ شعراء نوٹ ۵۲۔

۲۹۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ شعراء نوٹ ۵۳۔

۳۰۔ یعنی فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت پر نہ آسمان والوں کو کوئی افسوس ہوا اور نہ زمین والوں کو، کیونکہ وہ ظالم تھے اور اپنی ہلاکت کے آپ ذمہ دار تھے۔

پکڑو اس کو، اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ لے جاؤ، پھر اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب انڈیل دو ۔ (اب) چکھو اس کا مزہ۔تو بڑا زبردست اور عزت والا آدمی ہے۔(القرآن)

كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾

إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾

فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾

يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾

كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ
عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾

فَضْلًا مِنْ رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

٤٦ جیسے گرم پانی کھولتا ہے۔۴۹ ؎

٤٧ پکڑو اس کو ۵۰ ؎، اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ لے جاؤ،

٤٨ پھر اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب انڈیل دو۔

٤٩ چکھو اس کا مزہ۔ تو بڑا زبردست اور عزت والا آدمی ہے۔۵۱ ؎

٥٠ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم شک میں پڑے ہوئے تھے۔۵۲ ؎

٥١ البتہ اللہ سے ڈرنے والے ۵۳ ؎، پر امن مقام میں ہوں گے، ۵۴ ؎

٥٢ باغوں اور چشموں میں،

٥٣ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے آمنے سامنے بیٹھے ہونگے،

٥٤ اس طرح وہ سرفراز کئے جائیں گے۔ اور حسین چشم حوروں سے ہم ان کا بیاہ کر دیں گے۔۵۵ ؎

٥٥ وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے طلب کریں گے،

٥٦ پہلی موت کے بعد وہ کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے ۵۶ ؎، اور اللہ انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا،

٥٧ یہ تمہارے رب کے فضل سے ہوگا ۵۷ ؎۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔۵۸ ؎

٥٨ ہم نے (اے پیغمبر!) تمہاری زبان میں اسے آسان بنا دیا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔۵۹ ؎

٥٩ اب تم بھی انتظار کرو۔ وہ بھی انتظار کرتے ہیں۔۶۰ ؎

۴۹۔ یعنی زقوم پیٹ میں گرم پانی کی طرح جوش کھا رہا ہوگا۔

۵۰۔ یہ حکم فرشتوں کو ہوگا۔

۵۱۔ یہ طنز ہے کہ تو اپنے کو بڑا زبردست اور عزت والا آدمی سمجھتا تھا حالانکہ تو نے سرکش بن کر ذلیل حرکتیں کی تھیں۔ اب چکھ اپنے کرتوتوں کا مزا اور دیکھ آج تو کیسا بے بس اور ذلیل ہے۔

۵۲۔ قیامت اور جزا و سزا کا انکار کرنا ہی نہیں بلکہ اس کے بارے میں شک کرنا بھی بہت بڑا جرم ہے کیونکہ شک میں مبتلا ہو کر بھی آدمی دنیا ہی کو اپنا مقصدِ حیات بنالیتا ہے اور اللہ کا نافرمان بن کر من مانی کرنے لگتا ہے اس لئے عمل کے لحاظ سے آخرت کے منکر اور اس میں شک کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔ لہٰذا دونوں بجا طور پر جہنم کی سزا کے مستحق ہیں۔

۵۳۔ گنہگاروں اور آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہونے والوں کے مقابلہ میں متقین (اللہ سے ڈرنے والوں) کا انجام بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور جن کی زندگیاں اللہ کی اطاعت میں بسر ہوتی ہیں۔

۵۴۔ یعنی جہاں کسی قسم کا خوف و خطرہ نہیں ہوگا۔ مراد جنّت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں یہ اعلان کر دیا جائے گا کہ:

اَنَّ لَکُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَاَنَّ لَکُمْ اَنْ تَحْیَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا ، وَاَنَّ لَکُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَھْرَمُوْا اَبَدًا۔ وَاَنَّ لَکُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا۔ (مسلم کتاب الجنۃ)

''تمہارے لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ تم صحت مند رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے تم زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے۔ تم جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ اور تم عیش میں رہو گے کبھی تمہیں تکلیف نہیں پہنچے گی۔''

۵۵۔ حُور عربی میں گوری رنگت والی غزالی چشم عورتوں کو کہا جاتا ہے۔ یہاں جنت کی حسین و جمیل عورتیں مراد ہیں جو متقیوں سے بیاہ دی جائیں گی۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ یہ کوئی اور مخلوق ہوگی اس لئے اس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ یہ انسانوں میں سے ہوں گی۔ اور عجب نہیں کہ جو باکرہ لڑکیاں فوت ہو گئیں ان کو حور بنا کر متقیوں کی زوجیت میں دیدیا جائے۔ قرآن کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کو ان کی مؤمن بیویاں تو جنت میں ملیں گی ہی مزید یہ کہ حوروں سے بھی ان کا بیاہ کر دیا جائے گا۔ والعلم عند اللہ۔

رہا یہ عام خیال کہ جنت میں ایک ایک آدمی کو ستّر ستّر بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں حوریں ملیں گی تو اس کی کوئی اصل نہیں۔ نہ قرآن میں کہیں یہ بات کہی گئی ہے اور نہ کسی حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔ ایسی باتیں قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں اور جنت کا مذاق اڑانے والے اس کو موضوعِ بحث بنالیتے ہیں۔

۵۶۔ یعنی دنیا میں جو پہلی موت ہوگی اس کے بعد ان کے لئے ابدی زندگی ہے۔ موت کا انہیں کبھی سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔

۵۷۔ جہنم کے عذاب سے محفوظ ہونا اگرچہ تقویٰ کی بنا پر ہوگا مگر یہ سراسر اللہ ہی کے فضل سے ہوگا۔ اس کے فضل کے بغیر جنت میں پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

۵۸۔ جہنم کے عذاب سے بچنا اور جنت میں داخل ہونا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جو لوگ اس کو حقیقی کامیابی سمجھتے ہیں وہ اس کے حصول کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

۵۹۔ یعنی قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو پیغمبرِ قرآن اور ان کی قوم کی اپنی زبان ہے نیز اسے نہایت سہل اور عام فہم اسلوب میں پیش کیا گیا ہے تاکہ لوگ تذکیر کا فائدہ حاصل کر سکیں۔ قرآن کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ دقیق ترین مضامین کا جو کائنات کے اسرار و رموز، انسان کی باطنی کیفیات، روحانی معاملات اور قیامت کے احوال سے تعلق رکھتے ہیں، اتنے سلیس انداز میں پیش کرتا ہے کہ ان کا ابتدائی مفہوم ایک عام آدمی کے لئے بھی بشرطیکہ وہ صاف ذہن کا آدمی ہو سمجھنا اور اس سے نصیحت پذیر ہونا جو قرآن کا اولین منشاء ہے کچھ بھی مشکل نہیں۔ نصیحت کا یہ فائدہ غیر عربی داں قرآن کے ترجمہ سے بھی بشرطیکہ ترجمہ صحیح ہو حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ آیت سورۂ قمر کی آیت:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّکِرٍ۔ (قمر:۲۲)

''ہم نے قرآن کو ''ذکر'' (نصیحت حاصل کرنے) کے لئے آسان کر دیا ہے۔ تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔''

کی تفسیر کرتی ہے اور اس سے 'ذکر' کے یہ معنی کہ نصیحت اور یاد دہانی حاصل کرنا ہے متعین ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جن علماء نے اس متبادر مفہوم کو چھوڑ کر محض لغت کے سہارے اس کے معنی 'حفظ' کے لئے ہیں یعنی قرآن حفظ کرنے لئے آسان بنا دیا گیا ہے تو اس آیت سے ان کی اس تاویل کی تردید ہو جاتی ہے۔

۶۰۔ یعنی اس فہمائش اور نصیحت کے بعد بھی اگر یہ لوگ انجام کار ہی کے منتظر ہیں تو تم بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو حالات خود بتا دیں گے کہ قرآن اور پیغمبر نے جو کچھ کہا تھا وہ کس طرح سچ ثابت ہوا۔

# ۴۵۔الجاثیہ

**نام** آیت ۲۸ میں قیامت کے دن ہر گروہ کے **جاثیہ** یعنی گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہونے کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام **"الجاثیہ"** ہے۔

**زمانۂ نزول** مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورہ دخان کے بعد قریبی زمانہ میں نازل ہوئی ہوگی۔

**مرکزی مضمون** توحید اور آخرت کی نشانیوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے انکار کے نتائج سے خبردار کرنا ہے۔

**نظم کلام** آیت ۱ تا ۶ میں توحید کی نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جس کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔

آیت ۷ تا ۱۵ میں اللہ کی آیتوں کو سننے سے انکار کرنے والوں کو اُن کے اخروی انجام سے خبردار کر دیا گیا ہے۔اور اہل ایمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان سے درگذر کریں۔

آیت ۱۶ تا ۲۰ میں بنی اسرائیل کو تنبیہ کہ انہوں نے دین کی نعمت پانے کے بعد اس میں اختلاف کیا۔اور یہ ہدایت کہ اب جو شریعت نازل کی جارہی ہے اس کی پیروی کی جائے۔

آیت ۲۱ تا ۳۵ میں یوم جزا و سزا کے بارے میں بعض اعتراضات کا جواب اور شبہات کا ازالہ۔

آیت ۳۶ اور ۳۷ سورہ کی اختتامی آیتیں ہیں جن میں اللہ کی حمد بیان ہوئی ہے۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ
رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٥﴾

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ
اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٧﴾

يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا
كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٨﴾

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا ِۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩﴾

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠﴾

# ۴۵-سُورَۃُ الْجَاثِيَة

آیات: ۳۷

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ حا - میم - ا ؎

۲ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے ۲ ؎، جو زبردست اور حکمت والا ہے۔

۳ آسمانوں اور زمین میں بڑی نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کیلئے۔ ۳ ؎

۴ اور تمہاری خلقت میں اور ان حیوانات میں جو اس نے پھیلا رکھے ہیں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے۔ ۴ ؎

۵ اور رات اور دن کی آمد و رفت میں اور اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے اتارتا ہے، پھر اس سے زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں۔ ۵ ؎

۶ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں حق کے ساتھ سنا رہے ہیں۔ ۶ ؎ اب اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کونسی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے! ۷ ؎

۷ تباہی ہے ہر جھوٹے گنہگار شخص کے لئے، ۸ ؎

۸ جو اللہ کی آیتوں کو جو اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں سنتا ہے پھر تکبر کے ساتھ (اپنے کفر پر) اصرار کرتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ تو ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ ۹ ؎

۹ ہماری آیتوں میں سے کوئی بات اس کے علم میں آتی ہے تو وہ اس کو مذاق بنالیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

۱۰ ان کے آگے جہنم ہے ۱۰ ؎۔ جو کچھ انہوں نے کمایا ہے ۱۱ ؎، وہ ان کے کچھ بھی کام آنے والا نہیں۔ اور نہ وہ ان کے کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر کارساز بنا رکھا ہے ۱۲ ؎۔ ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔

۱۔ ان حروف کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مؤمن نوٹ ا ۔

اس سورہ میں 'ح' 'م' کا اشارہ اللہ کے حکیم (حکمت والا) ہونے کی طرف ہے جس کا ذکر آیت ۲ میں ہوا ہے۔

۲۔ قرآن بار بار صراحت کرتا ہے کہ یہ کتاب اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے تا کہ لوگوں کیلئے شک کی گنجائش باقی نہ رہے اور وہ اس کتاب کے تعلق سے اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔

۳۔ یعنی جو لوگ اللہ کی طرف متوجہ کرنے والی نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانے کے لئے تیار ہوں ان کے لئے آسمان و زمین میں بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔قرآن ان نشانیوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تا کہ لوگ غور و فکر کریں۔آگے کچھ نشانیوں کا ذکر ہوا ہے۔

آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ ایمان ایک وجدانی کیفیت ہے جو آسمان و زمین کے مشاہدہ سے انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔اگر انسان اپنی فطرت سلیمہ پر قائم ہو تو آسمان و زمین کو دیکھ کر اس کا وجدان خود پکار اٹھے گا کہ یہ ایک خدا کی کاریگری ہے اور وہی معبود برحق ہے۔

۴۔ ان نشانیوں پر غور کرنے سے اللہ کی وہ معرفت حاصل ہوتی ہے جو اس کے الٰہ واحد ہونے کا یقین پیدا کرتی ہے۔

۵۔ یعنی ان نشانیوں پر غور کرنے سے جہاں ایمان و یقین پیدا ہوتا ہے وہاں ذہن بھی اللہ کی وحدانیت پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

۶۔ یعنی اللہ کی یہ آیتیں تمہیں اس طرح سنائی جا رہی ہیں کہ وہ ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہیں۔ان کا ایک ایک لفظ اللہ جل شانہ کا اپنا کلام ہے اور اس کے ذریعہ حق بالکل واضح ہو کر سامنے آ رہا ہے۔

۷۔ یعنی جب اللہ کا وجود ایک واضح حقیقت ہے اور اس کی آیتوں نے اس کے وجود اور اس کی وحدانیت کو اور روشن کر دیا ہے تو ان کے ایمان لانے کے لئے مزید کس دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

۸۔ خدا کے بارے میں جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس کی زندگی لازماً معصیت کی زندگی ہوتی ہے۔

۹۔ دردناک عذاب کوئی خوشخبری نہیں لیکن اس کو خوشخبری سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے تا کہ کافر چونک پڑیں اور ہوش میں آ جائیں۔

۱۰۔ یعنی مستقبل کی زندگی میں ان کو جہنم سے واسطہ ہے۔

۱۱۔ کمانے میں مال و دولت بھی شامل ہے اور اعمال بھی۔

۱۲۔ خواہ وہ بت ہوں، دیوی دیوتا ہوں، فرشتے ہوں یا بزرگ شخصیتیں جن کی عقیدت میں وہ اس طرح مبتلا ہیں جس طرح اللہ سے عقیدت ہونی چاہئے اور جن سے وہ ایسی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں جو اللہ ہی سے کی جاسکتی ہے۔

هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ
عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

۱۱ یہ سراسر ہدایت ہے ۱۳؎ ۔اور جن لوگوں نے اپنے رب کی
آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے شدت کا دردناک عذاب ہے۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا
مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾

۱۲ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا ۱۴؎، تاکہ
اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو ۱۵؎
اور تاکہ تم اس کے شکر گذار رہو۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٣﴾

۱۳ اور اس نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو اپنی طرف سے
تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے ۱۶؎، اس میں یقیناً نشانیاں ہیں
۱۷؎ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کریں۔

قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ
قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾

۱۴ ایمان لانے والوں سے کہو کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ
کی طرف سے ظاہر ہونے والے عبرتناک دنوں کا اندیشہ نہیں رکھتے۔
تاکہ اللہ ایک گروہ کو اس کی کمائی کا جو وہ کرتی رہی ہے بدلہ دے۔۱۸؎

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ
وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾

۱۵ جو کوئی نیک عمل کرے گا وہ اپنے ہی لئے کرے گا اور جو برائی
کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا ۱۹؎۔ پھر تم اپنے رب ہی کی طرف
لوٹائے جاؤ گے ۲۰؎ ۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم
مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

۱۶ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔
۲۱؎ ان کو ہم نے پاکیزہ رزق بخشا تھا ۲۲؎ ۔اور دنیا والوں پر
فضیلت عطا کی تھی۔ ۲۳؎

وَآتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٧﴾

۱۷ انہیں دین کے معاملہ میں واضح احکام دئے۔تو انہوں نے جو
اختلاف کیا وہ علم آجانے کے بعد کیا، محض آپس میں ایک دوسرے
کے خلاف زیادتی کی بناء پر، بے شک تمہارا رب قیامت کے دن
ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا، جن میں وہ اختلاف
کرتے رہے ہیں۔ ۲۴؎

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾

۱۸ پھر ہم نے تم کو ایک واضح شریعت پر قائم کیا لہٰذا تم اس کی پیروی
کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو علم نہیں رکھتے۔ ۲۵؎

إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ
أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾

۱۹ یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام آنے والے نہیں
ہیں ۲۶؎ ۔ یہ ظالم ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور اللہ متقیوں کا
رفیق ہے۔

۱۳۔ یعنی یہ قرآن۔

۱۴۔ مسخر کر دیا یعنی تمہاری خدمت میں لگا دیا۔ یہ اس کا بنایا ہوا طبعی قانون ہے کہ سمندر میں کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز کھڑے ہوتے ہیں اور ڈوبتے نہیں ورنہ ایک پتھر بھی پھینکا جائے تو ڈوب جاتا ہے۔

۱۵۔ مراد تجارتی سفر ہیں جو کسبِ معاش کا ذریعہ ہیں۔ اللہ کی ربوبیت (پروردگاری) ہی ہے جو انسان کو سامانِ معیشت عطا کرتی ہے جس پر اس کا شکر لازم ہے۔

تجارت اور کاروبار ایک مؤمن بھی کرتا ہے اور ایک کافر بھی لیکن دونوں کا اندازِ فکر (سوچنے کا طریقہ) بنیادی طور پر مختلف ہوتا ہے۔ ایک مؤمن سمجھتا ہے میری دوڑ دھوپ اللہ کے فضل کی تلاش میں ہے کہ اس نے اپنے فضل سے جو رزق مہیا کیا ہے اسے میں حاصل کر کے اس کی نعمت کا قدرداں بن جاؤں بخلاف اس کے ایک کافر سمجھتا ہے کہ مجھے اپنا معاش اپنی قابلیت کی بنیاد پر حاصل کرنا ہے۔ پھر جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو وہ بس اپنی محنت کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

۱۶۔ یعنی سب چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور تمہاری خدمت میں بھی اسی نے لگا رکھی ہیں اس کے سوا نہ کوئی کسی چیز کا خالق ہے اور نہ متصرف (کام میں لگانے والا)۔

۱۷۔ یہ نشانیاں جن کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے خدا کی معرفت (پہچان) عطا کرنے اور اس سے صحیح تعلق پیدا کرنے کا بہترین اور اہم ترین ذریعہ ہیں، اور ہر شخص قرآن کی رہنمائی میں ان نشانیوں پر غور کر کے ان نتائج تک پہنچ سکتا ہے جو قرآن اس کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ یہ نشانیاں ہر خاص و عام کی سمجھ میں آنے والی اور دل کو اپیل کرنے والی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں خدا کے وجود وغیرہ پر جو منطقی دلائل، صغریٰ اور کبریٰ قائم کر کے پیش کئے جاتے ہیں وہ نہ عام انسان کی سمجھ میں آنے والے ہوتے ہیں اور نہ وہ اس درجہ مؤثر ہوتے ہیں۔

۱۸۔ 'ایام اللہ' سے مراد وہ تاریخی دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مجرم قوموں کو عبرتناک سزائیں دیں۔ ایسی سزائیں آئندہ بھی ان لوگوں کو مل سکتی ہیں جو مجرم قوموں کے نقش قدم پر چلیں۔ مگر جو لوگ اپنی مجرمانہ حرکتوں کے باوجود اس قسم کا کوئی اندیشہ محسوس نہیں کرتے اور اہل ایمان کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں ان کی اذیتوں سے درگذر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ خود ان کو ان کے کئے کی سزا دے۔

ایک طرف قرآن کی یہ ہدایت ہے اور دوسری طرف موجودہ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ کافروں کی ہر اذیت پر جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہوتے ہیں اور احتجاج کی تحریک چلانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ درگزر کی اس ہدایت پر عمل کرنے کا بھی ایک موقع و محل ہے اور کافروں سے جنگ کرنے کا بھی ایک موقع و محل ہے۔ دونوں میں کوئی تضاد نہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ اس آیت کو ان آیتوں سے جن میں قتال کا حکم دیا گیا ہے منسوخ مانا جائے۔

۱۹۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ حٰم السجدہ نوٹ ۱۷۔

۲۰۔ یعنی جہاں سے تمہارا آغاز ہوا تھا وہیں تمہارا مرجع بھی ہوگا۔ تمہاری پیدائش کی ابتداء تمہارے رب کی طرف سے ہوئی تھی لہٰذا تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ نہ کسی اور نے تمہیں پیدا کیا ہے اور نہ کسی اور کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

۲۱۔ بنی اسرائیل کو تورات، زبور اور انجیل جیسی کتابیں عطا کی گئیں۔ ساتھ ہی حکمت (حکم) یعنی کتاب الٰہی کا فہم بخشا گیا تاکہ وہ عملی زندگی میں اس سے رہنمائی حاصل کریں اور ان میں انبیاء کا سلسلہ چلایا۔

۲۲۔ یعنی پاکیزہ اور حلال رزق کے دروازے ان پر کھول دئے تھے۔ مصر میں تو انہیں مظلومانہ زندگی بسر کرنا پڑی تھی لیکن اس ماحول سے نکلنے کے بعد جو آزاد فضا ان کو میسر آئی اور پھر فلسطین میں انہیں اقتدار حاصل ہوا تو حرام میں ملوث ہونے کے لئے انہیں کوئی مجبوری نہیں رہی۔ شرعی حدود میں رہ کر پاکیزہ رزق کا حصول ان کے لئے آسان ہو گیا تھا۔

۲۳۔ یعنی دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس قوم کو دینِ حق کی طرف دعوت دینے اور دنیا والوں کی رہنمائی کے لئے منتخب کیا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو بنی اسرائیل کو بخشا گیا اور اس مقصد کے لئے بیت المقدس کو دعوتِ اسلامی کا مرکز بنایا گیا۔

۲۴۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران نوٹ ۲۷، ۲۸۔ اور سورۂ حٰمٓ السجدہ نوٹ ۶۸۔ اور سورہ یونس نوٹ ۱۴۴۔

نبی اسرائیل کے جس اختلاف کا ذکر قرآن کرتا ہے وہ قرآن کے پیرووں کے لئے درس عبرت ہے مگر اس کے باوجود مسلمانوں نے بنی اسرائیل کی سی روش اختیار کی۔ ان کے سامنے قرآن کے واضح احکام اور اس کے رسول کی سنتِ ثابتہ موجود ہے پھر بھی وہ گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور ایک دوسرے کی مخالفت میں دین کی من مانی تاویلیں کر رہے ہیں۔ تقلید اور عقیدت کے بندھنوں سے آزاد اور گروہی تعصّبات سے پاک ہو کر قرآن و سنت کا مطالعہ کرنے والے اور اس کی روشنی میں چلنے والے مسلمان بہ مشکل نظر آتے ہیں ورنہ مسلمانوں کی سوسائٹی میں بہ کثرت بدعتیں رائج ہو گئی ہیں اور وہ بری طرح خواہش پرستی میں مبتلا ہیں۔

۲۵۔ یعنی جو شریعت اب قرآن کے ذریعہ تمہیں دی جا رہی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر اہل کتاب کے طور طریقوں کی پیروی نہ کرو جو انہوں نے اپنی خواہش سے رائج کر رکھے ہیں اور جو دین میں بدعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۶۔ یہ انتباہ ہے کہ اگر تم نے قرآن کی شریعت کو چھوڑ کر اہل کتاب کی من گھڑت باتوں کی پیروی کی تو قیامت کے دن وہ تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچا نہ سکیں گے۔

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا
معبود بنا لیا ہے؟ اور اللہ نے اسے جانتے ہوئے گمراہ کر
دیا۔اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں
پر پردہ ڈال دیا۔اب کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت
دے؟ پھر کیا تم لوگ ہوش میں نہیں آتے؟ (القرآن)

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

[۲۰] یہ لوگوں کے لئے بصیرت کی باتیں ہیں ۲۷ ۔ اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین کریں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

[۲۱] کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند کر دیں گے، جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہوجائے؟ ۲۸ ۔ بہت بُرا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں! ۲۹ ۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

[۲۲] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو (مقصد) حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ۳۰ ۔ اور اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے ۳۱ ۔ اور ان کے ساتھ ناانصافی ہرگز نہیں کی جائے گی۔ ۳۲ ۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى
سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ
بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

[۲۳] کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے ۳۳ ؟ اور اللہ نے اسے جانتے ہوئے گمراہ کر دیا ۳۴ ۔ اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ۳۵ ۔ اب کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے؟ ۳۶ پھر کیا تم لوگ ہوش میں نہیں آتے؟ ۳۷

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا
الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

[۲۴] یہ لوگ کہتے ہیں ہماری زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور ہمیں بس زمانہ کی گردش ہلاک کرتی ہے۔ ۳۸ (درحقیقت) ان کو اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ یہ محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ ۳۹

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا
ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

[۲۵] اور جب ان کو ہماری روشن آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی حجت بس یہ ہوتی ہے کہ لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔ ۴۰

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

[۲۶] ان سے کہو اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر وہی تم کو قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۴۱

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

[۲۷] آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست خسارہ میں پڑیں گے۔

۲۷۔ بصیرت کی باتیں ہیں یعنی علم کی روشنی میں لانے والی باتیں ہیں۔

۲۸۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ص نوٹ ۳۹۔

۲۹۔ یعنی یہ بڑی نامعقول اور غیر منصفانہ بات ہے کہ بدکاروں کو نیکو کاروں کی سطح پر رکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ جو رویہ بھی آدمی اختیار کرے اللہ کی نظر میں یکساں ہے۔ وہ نہ تو برائی اور ظلم کرنے والوں کا کوئی نوٹس لیتا ہے اور نہ نیکی اور بھلائی کرنے والوں سے خوش ہوتا اور انہیں ان کی اچھی جزا دیتا ہے۔

۳۰۔ اس کی تشریح سورۂ دخان نوٹ ۴۲ میں گذر چکی۔

۳۱۔ یہ ہے وہ مقصدِ حق جس کے لئے کائنات کو پیدا کیا گیا ہے اگر جزا و سزا کا معاملہ پیش آنے والا نہ ہوتا تو پھر اس کائنات کا کوئی مقصد باقی نہیں رہتا۔ جو لوگ جزا و سزا کا انکار کرتے ہیں وہ اس کائنات کی کوئی غرض و غایت متعین نہیں کر پاتے۔ اور یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ انسان اپنی اور کائنات کی تخلیق ہی کے بارے میں اندھیرے میں رہے اور اس طرح زندگی گزارے کہ اسے کچھ خبر نہیں کہ آگے کیا پیش آنے والا ہے اور اس کے لئے کیا تیاری کرنا ہے اس شخص کی ناکامیابی میں کیا شبہ رہ جاتا ہے جو امتحان گاہ کو تفریح گاہ سمجھتا ہے؟

۳۲۔ واضح ہوا کہ کافروں کو جو سخت اور ہمیشگی کی سزا دی جائے گی وہ بالکل منصفانہ ہوگی۔ اس کو ظلم سے وہی لوگ تعبیر کرتے ہیں جو اس میزانِ عدل سے ناآشنا ہیں جو اس کائنات میں قائم کر دی گئی ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ۔ (الرحمٰن: ۷) ''آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کی۔''

۳۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ فرقان نوٹ ۵۷۔

علم و عقل اور وحی الٰہی کی روشنی کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنا گویا ان کی پرستش کرنا ہے اس لئے ان کو معبود بنانے سے تعبیر کیا گیا ہے ورنہ اپنی خواہش کی پوجا کوئی نہیں کرتا۔ علامہ آلوسی نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے:

''یہ اظہار تعجب ہے اس شخص کے حال پر جو ہدایت کی پیروی کرنے کے بجائے اپنی خواہشات کا تابع بن کر رہ جاتا ہے گویا وہ ان کی پرستش کر رہا ہے تو یہ کلام بلیغ تشبیہ یا استعارہ کے طور پر ہے: (روح المعانی جزء ۲۵ ص ۱۵۲)

۳۴۔ یعنی اللہ نے اسے خواہ مخواہ گمراہ نہیں کیا بلکہ اس کی حالت کو جانتے ہوئے گمراہ کیا، وہ ہدایت کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے، اس کے دل کا یہ حال اللہ کو معلوم تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔

۳۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۵۔

۳۶۔ یعنی جو شخص اللہ کے قانون ضلالت کی گرفت میں آ گیا اس کو نہ کوئی شخص سمجھا سکتا ہے اور نہ ہدایت دے سکتا ہے۔

۳۷۔ یہ قرآن سننے والوں کو تنبیہ ہے کہ تم ہوش سے کام لو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے خواہش پرستی کی راہ اختیار کی۔

۳۸۔ آیت میں لفظ 'دہر' استعمال ہوا ہے جس کے معنی زمانہ کے ہیں اور مراد اس سے گردش ایام ہے۔ مشرکینِ مکہ خدا کے منکر نہیں تھے بلکہ اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے دوسری ہستیوں کو نفع اور نقصان پہنچانے والا سمجھتے تھے اور ان ہی میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو موت کا فاعل اللہ کو نہیں بلکہ گردش ایام کو قرار دیتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ موت نہ خدائی منصوبہ کا جزء ہے اور نہ اس کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے، اس لئے وہ اپنی ہلاکت کو زمانہ کی گردش پر محمول کرتے تھے کہ وقت آتا ہے اور آدمی مر جاتا ہے، جس طرح آدمی وقت کے ساتھ جوان اور بوڑھا ہوتا ہے۔ اسی بناء پر وہ کسی آفت کے

نازل ہونے پر یا کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر زمانہ کو بُرا بھلا کہتے تھے جس کی ممانعت حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ اللّٰہُ یَسُبُّ بَنُوْ آدَمَ الدَّھْرَ وَ اَنَا الدَّھْرُ بِیَدِی اللَّیْلُ وَ النَّھَارُ۔ (صحیح البخاری کتاب الادب)

''اللہ فرماتا ہے آدم کی اولاد زمانہ کو بُرا بھلا کہتی ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں، رات اور دن میرے قبضہ میں ہیں۔''

''زمانہ مَیں ہوں'' کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ زمانہ کی شکل میں مادی وجود رکھتا ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی مادی وجود ہو۔ مادی وجود رکھنے والی سب چیزیں مخلوق ہیں جب کہ اللہ ان سب کا خالق ہے اس لئے زمانہ بھی مخلوق ہے نہ کہ خالق اس حدیث قدسی میں جو بات ارشاد ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو وہ گردش ایام کی طرف اسے منسوب کر کے زمانہ کو برا بھلا کہنے لگتا ہے لیکن درحقیقت زمانہ کا الٹ پھیر کرنے والا اللہ ہے اس لئے جو تکلیف بھی پہنچتی ہے وہ تقدیر الٰہی کے تحت پہنچتی ہے اس پر زمانہ کو مطعون کرنا درحقیقت خدا کو مطعون کرنا ہے کیوں کہ زمانہ اپنی طرف سے کوئی مصیبت نہیں لاتا۔

واضح رہے کہ 'دہریہ' رائج الوقت اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خدا کا بالکل منکر ہو اور گردش زمانہ ہی کو مسبب الاسباب (عالمِ اسباب پر کارفرما) سمجھتا ہو۔ مگر آیت میں جو بات بیان ہوئی ہے وہ مشرکین کے بارے میں ہے گو منکرین خدا پر بھی چسپاں ہو جاتی ہے۔

۳۹۔ یعنی ان کی یہ بات کسی علمی دلیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض اٹکل سے وہ ایسی باتیں کرتے ہیں ورنہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ مرنے کے بعد نہ روح کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا ہے اور نہ دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

۴۰۔ ان کی یہ حجت واقعی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ اسے اپنے طور پر دلیل سمجھ کر پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر مُردے زندہ کئے جانے والے ہیں تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے ہمارے سامنے کیوں نہیں لاتے۔ ان کا یہ مطالبہ بالکل بے جا تھا کیوں کہ قرآن دوسری زندگی کی جو خبر دے رہا ہے وہ قیامت کے دن وقوع میں آنے والی بات ہے نہ کہ دنیا میں وقوع میں آنے والی۔ اگر دنیا میں وقوع میں آتی تو ایمان لانے کا سوال ہی کیا باقی رہتا اور امتحان کا کیا موقع رہتا۔

۴۱۔ یہ ان کے اعتراض کا مثبت انداز میں جواب ہے کہ زمانہ کی گردش سے نہ کسی کو زندگی ملتی ہے اور نہ موت آتی ہے بلکہ اللہ کے زندگی بخشنے سے زندگی ملتی ہے اور اس کے موت دینے سے آدمی مرتا ہے۔ اور دوسری زندگی کیلئے اس نے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے مگر لوگوں کی بڑی تعداد اتنی بڑی حقیقت سے بے خبر ہے۔

یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور
تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال دیا تھا۔ تو آج ان
کو نہ اس سے نکالا جائے گا اور نہ توبہ کا موقع دیا جائے گا۔
پس حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو آسمانوں کا بھی رب ہے
اور زمین کا بھی رب، سارے جہاں کا رب۔ (القرآن)

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

[۲۸] اور تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھو گے ۴۲؎۔ ہر گروہ کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ جو تم کرتے رہے اس کا آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

[۲۹] یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ۴۳؎۔ جو کچھ تم کرتے تھے ہم اسے لکھواتے جاتے تھے۔ ۴۴؎

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ
فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

[۳۰] تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہ صریح کامیابی ہے۔ ۴۵؎

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

[۳۱] اور جن لوگوں نے کفر کیا، (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟ مگر تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ
مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ
بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

[۳۲] اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے بارے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے۔ ہم تو ایک گمان رکھتے ہیں اور ہم اس کا یقین کرنے والے نہیں ہیں۔ ۴۶؎

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

[۳۳] اور ان پر ان کے عمل کی برائیاں واضح ہو جائیں گی ۴۷؎، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے رہے ہیں وہ ان کو گھیر لے گی۔ ۴۸؎

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا
وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

[۳۴] اور ان سے کہا جائے گا آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں ۴۹؎۔ جس طرح تم نے اپنی پیشی کے اس دن کو بھلا دیا تھا۔ تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

[۳۵] یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا لیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال دیا تھا ۵۰؎۔ تو آج ان کو نہ اس سے نکالا جائے گا اور نہ توبہ کا موقع دیا جائے گا۔ ۵۱؎

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

[۳۶] پس حمد اللہ ہی کے لئے ہے ۵۲؎۔ جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب، سارے جہاں کا رب۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع

[۳۷] اور اسی کے لئے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا۔

۴۲۔ یعنی قیامت کے دن اللہ کے حضور ہر انسانی گروہ کی پیشی اس طرح ہوگی کی وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہوگا۔گھٹنوں کے بل گرنا خضوع کا اظہار ہے۔بڑے بڑے متکبرین بھی اس روز گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہوں گے۔اور اجتماعی طور پر وہ قومیں بھی جو فخر سے اپنا سر اونچا کرتی رہی ہیں،میدان حشر میں انتہائی خضوع کی حالت میں پیش ہوں گی۔

اس آیت میں محشر کی جو جھلک دکھائی گئی ہے وہ غرورِ نفس کو توڑنے اور قوموں کی خودسری کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے بشرطیکہ وہ کھلے ذہن سے اس کا مطالعہ کریں۔

۴۳۔ یہ دفتر گویا اعمال کا ٹیپ ریکارڈ ہوگا اور ہر شخص اپنا ریکارڈ سن لے گا۔قرآن کا یہ بیان کہ اعمال کا دفتر ناطق (بولنے والا) ہوگا انسان کے لئے تعجب کی بات نہیں رہی جب کہ وہ ٹیپ ریکارڈ ایجاد کر چکا ہے۔نئے انکشافات اور ایجادات کے ساتھ قرآن کی صداقت اور زیادہ روشن ہوتی جا رہی ہے۔

۴۴۔ یعنی ہمارے فرشتے اسے ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔

۴۵۔ آدمی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی رحمت میں داخل ہوجائے اس سے زیادہ نمایاں کامیابی کیا ہوسکتی ہے؟

۴۶۔ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو قیامت کے بالکل منکر ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کو قیامت کے بارے میں شک ہے اور وہ یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ قیامت لازماً آئے گی۔یہ دونوں ہی قسم کے لوگ کافر اور مجرم ہیں کیوں کہ دونوں آخرت کو نظر انداز کر کے زندگی گزارتے ہیں اس لئے دونوں کا انجام بھی یکساں ہے۔

۴۷۔ یعنی اس روز اپنے اعمال کے نتائج کو دیکھ کر انہیں احساس ہوجائے گا کہ انہوں نے آخرت کا انکار کر کے کتنے غلط اور کیسے بُرے کام کئے۔

۴۸۔ یعنی جہنم کا عذاب جس کا وہ دنیا میں مذاق اڑاتے رہے۔

۴۹۔ یعنی تم کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تم رحم کے مستحق نہیں ہو۔

۵۰۔ دنیا کی رونق دیکھ کر انسان اس پر ایسا فریفتہ ہوجاتا ہے کہ اس کے بعد کی زندگی کے بارے میں کچھ سوچنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔اسے بس یہی فکر رہتی ہے کہ دنیا کے فائدے زیادہ سے زیادہ حاصل کروں۔رہی آخرت تو اگر وہ برپا ہوگئی تو دیکھا جائے گا۔یہ بہت بڑا دھوکہ ہے مگر آج بھی اکثر لوگ اس دھوکہ میں مبتلا ہیں۔اور وہ قرآن ہی ہے جو انہیں اس دھوکہ سے نکالنا چاہتا ہے۔کاش وہ قرآن کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے!

۵۱۔ کیوں کہ توبہ کی جگہ دنیا ہے نہ کہ آخرت۔دنیا کے امتحان میں فیل (ناکام) ہوجانے کے بعد دوبارہ امتحان دینے کا کوئی موقع نہیں۔

۵۲۔ یہ سورہ کی آخری آیتیں ہیں جو اللہ کی حمد و ثنا پر ختم ہورہی ہیں اور اس بات کا احساس دلارہی ہیں کہ اس سورہ میں جو حکیمانہ باتیں ارشاد ہوئی ہیں اس پر اللہ تعریف اور شکر کا مستحق ہے۔